پانی پت کے میدان میں ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ ہندوستان میں رہنے والے ہندو مسلمانوں کو آپس کی سمجھ دے اور گذشتہ زمانے میں اور آج کل کے زمانے میں جو لڑائیاں ہندو مسلمانوں میں ہوتی رہتی ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ کیونکہ آنے والا زمانہ ہر ہندو مسلمان کی زندگی تلخ کر دیگا اگر وہ آپس میں اسی طرح لڑتے رہے جس طرح پہلے لڑتے تھے اور آج کل لڑتے رہتے ہیں۔

پانی پت کا میدان

تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہندوستان میں پانی پت کا میدان ایسا میدان ہے کہ یہاں بڑی بڑی فیصلہ کن لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ پانچ ہزار برس پہلے مہابھارت کی لڑائی بھی پانی پت کے قریب کورو کشیتر کے میدان میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری اور پرتھوی راج کی مشہور فیصلہ کن لڑائی بھی اسی میدان کے قریب ہوئی تھی جس نے ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اس کے بعد شہنشاہ بابر اور شہنشاہ ابراہیم لودی یعنی مغلوں اور پٹھانوں کی لڑائی بھی پانی پت کے میدان میں ہوئی جس میں ابراہیم لودی مارا گیا تھا اور اس کی قبر بھی میدان جنگ میں بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ ایرانی اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کی لڑائی بھی پانی پت کے [illegible]

اور محمد شاہ کے مرنے کے بعد دہلی کے تخت پر محمد شاہ کا بیٹا احمد شاہ بیٹھا تو پونا دربار کے پیشوا نے اپنے بیٹے بسواس راؤ اور اپنے چچا زاد بھائی سداشیو بھاؤ کو تین لاکھ فوج دے کر بھیجا تھا کہ دہلی کی اسلامی سلطنت مٹا دی جائے اور افغانستان کی سرحد تک ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر پہنچا دیا جائے۔

جس وقت یہ مہم شروع ہوئی تو مرہٹوں کا غلبہ تقریباً تمام ہندوستان میں ہو چکا تھا اور مرہٹوں نے اس تحریک کو ہندو مسلم مسئلہ بنا دیا تھا جس کی وجہ سے ہندوستان کے ہر مسلمان حکومت اور ہر ہندو حکومت اور ہندو مسلم رعایا کے سب افراد میں باہم نفرت اور عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی اور دہلی کی مغل بادشاہی محض نام کی بادشاہی رہ گئی تھی کسی قسم کی قوت اس سلطنت میں باقی نہ تھی۔ تمام ملک میں مختلف امراء خود سر اور خود مختار ہو گئے تھے۔ اور چونکہ ان امیروں میں آپس کی رقابتیں تھیں اس واسطے مرہٹوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک بچہ بھی باقی نہ رہے سب کو چن چن کر مار ڈالا جائے یا ہندوستان سے نکال دیا جائے۔

پونا کے دربار کا پیشوا برہمن نسل کا تھا۔ مرہٹہ حکومت کے بانی سیواجی کی اولاد بھی اس برہمن پیشوا کی محکوم ہو گئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف مرہٹے اور برہمن اور راجپوت اور ویش یعنی تجارت پیشہ ہندو اور شودر یعنی ادنیٰ ذات کے ہندو سب ایک دل ہو گئے تھے۔ اور ہر ہندو دل سے چاہتا تھا کہ ہندوستان مسلمانوں سے پاک صاف ہو جائے۔

ہندوستان میں برائے نام مغل حکومت تھی لیکن بڑی طاقت اودھ کے ایرانی حکمران اور دکن کے سنی حکمران یعنی آصف جاہ نظام اور روہیلکھنڈ کے افغان حکمرانوں میں تھی اور یہ لوگ ملک میں اسلامی حکومت کے ستون سمجھے جاتے تھے اور ان سب نے برہمن پیشوا کے منصوبے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ مگر وہ آپس میں

اتحاد نہ ہونے کے سبب بے بس نظر آتے تھے۔

پونا دربار نے جو زبردست اور جرّار فوج دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی تھی اُس کے سپہ سالار یعنی سداشیو بھاؤ کی عمر کم تھی مگر جوش اور ہمّت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ پیشوا نے اپنے بیٹے بسواس راؤ کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ دہلی فتح کرنے کے بعد بسواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھایا جائے۔

مرہٹوں کو سب سے زیادہ خطرہ افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کا تھا۔ روہیلکھنڈ کی افغانی ریاستوں سے ان کو کچھ خوف نہ تھا۔ بریلی کے نواب حافظ رحمت خاں اور نجیب آباد کے نواب نجیب الدولہ سے مرہٹے عناد تو رکھتے تھے لیکن ڈرتے نہ تھے۔ کیونکہ ان دونوں کی فوجی طاقت مرہٹوں کی فوجی طاقت کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔

مرہٹوں کو نواب نجیب الدولہ سے بہت ہی زیادہ دشمنی تھی اور وہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے دہلی پر ہاتھ ڈالا تو نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں وغیرہ افغان ریاستیں مزاحمت کرینگی۔ اودھ کی ایرانی حکومت شجاع الدولہ کے ہاتھ میں تھی اور وہ مرہٹوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔

مرہٹوں کی جرار فوج یلغار کرتی ہوئی دہلی کے قریب آئی تو دہلی کے [illegible] مسلمان امیر بھرت پور تک اس کے استقبال کے لئے گئے اور ذاتی اغراض کے [illegible] دہلی کے بادشاہ احمد شاہ نے شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ اور حافظ رحمت [illegible] وغیرہ کو بھی فرمان بھیجے اور احمد شاہ ابدالی کو بھی کمک کے لئے بلایا۔

یہاں تک کہ پانی پت کے میدان میں ہندو مسلمانوں کی [illegible] جمع ہوگئیں اور ایک ایسی ہولناک خون ریزی ہوئی [illegible] میں بہت کم ملے گی۔

اس لڑائی میں بسواس راؤ بھی مارا گیا۔ اور مرہٹہ فوج کا سپہ سالار بھاؤ بھی مارا گیا اور سندھیا اور ہلکر وغیرہ مرہٹہ سرداروں کو بھی بہت نقصان پہنچا اور تین لاکھ فوج میں سے بہت ہی تھوڑے آدمی زندہ بچے باقی سب کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جس وقت پانی پت کے میدان میں لڑائی ختم ہوئی تو نظام الملک آصف جاہ نے پونا پر حملہ کر کے مرہٹوں کا پایۂ تخت تہ و بالا کر دیا۔

یہ خلاصہ ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی کا ہے۔ جس کو ایک انگریز کے کہنے سے ایک مسلمان نے فارسی زبان میں قلمبند کیا تھا اور اس کا ترجمہ میں شائع کرتا ہوں۔ اس کتاب کے مصنف نے اپنا حال جو کچھ لکھا تھا اس کو بھی پہلے درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ ناظرین مصنف کے حالات سے آگاہ ہو جائیں۔

آخر میں میں پھر دعا کرتا ہوں کہ میں نے اس تاریخ کا نام "ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی" محض اس وجہ سے رکھا ہے تاکہ ہر پڑھنے والے ہندو مسلمان کو یہ احساس ہو کہ ہندو مسلمانوں کی لڑائی پانی پت کے میدان میں آخری لڑائی تھی۔ اور اب ان کو آپس میں مل جل کر اتحاد سے رہنا چاہئے ۔

حسن نظامی

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ — ۵ اپریل ۱۹۴۵ء

مصنف کے حالات

یہ کتاب سید غلام علی صاحب نقوی نے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ جو رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد حکیم سید محمد اکمل خاں صاحب دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کے طبیب خاص تھے۔ اور شاہ عالم کے ولی عہد اکبر ثانی کی سرکار میں مختار کاری کے فرائض انجام دیتے تھے۔

سنہ ۱۲۰۲ ہجری میں غلام قادر خاں روہیلہ دہلی میں آیا اور شاہ عالم کی آنکھیں خنجر کی نوک سے نکال لیں۔ اور شاہی خاندان کو اور اس کے اقربا کو اور سارے قلعے کو لوٹ کر چلا گیا۔ حکیم سید محمد اکمل خاں بھی اس لوٹ کا شکار ہوئے اور دہلی چھوڑ کر حیدرآباد چلے گئے۔ اور حیدرآباد سے حج کرنے کے لئے کعبہ شریف روانہ ہو گئے سید غلام علی نقوی اپنے والد کے ساتھ نہیں گئے۔ لکھنؤ میں آ گئے اور وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے سنہ ۱۲۱۲ھ میں سید غلام علی کے والد حج سے واپس آئے تو سید غلام علی بھی لکھنؤ سے حیدرآباد گئے مگر جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو پھر لکھنؤ میں واپس چلے آئے۔

جس زمانہ میں سید غلام علی لکھنؤ میں تھے تو لکھنؤ کے ریزیڈنٹ مسٹر پامر کی ان پر بہت عنایت تھی۔ جب سید غلام علی حیدرآباد گئے تھے اُسی زمانے میں مسٹر پامر پونہ کے ریزیڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سید غلام علی حیدرآباد سے لکھنؤ جانے لگے تو پونہ میں مسٹر پامر سے ملے۔ اور ان کے تعارف کے ذریعے مسٹر جان بیلی سے لکھنؤ جا کر ملاقات کی۔ اور بیلی صاحب نے سید غلام علی کو اپنا میر منشی بنا لیا۔ اس وقت لکھنؤ کے نواب سعادت علی خاں تھے۔ اس لئے جب غلام علی نے مسٹر جان بیلی کی فرمائش سے سنہ ۱۲۲۳ھ میں اودھ کی تاریخ لکھی تو اس کا نام "عماد السعادت" رکھا مگر میں نے اپنی اس کتاب میں "عماد السعادت" کا صرف وہ حصہ لیا ہے جس میں پانی پت کی لڑائی کا تذکرہ ہے۔ اودھ کی تاریخ کا حصہ چھوڑ دیا ہے۔ حسن نظامی ؛

جب دلّی آخری سانس لے رہی تھی

اور جب امیر تیمور اور بابر اور اکبر کی اولاد ہندوستان کی تخت گاہ دلّی میں دم توڑ رہی تھی۔ اور جب ہندوستان میں ایک ہزار برس تک حکومت کرنے کے بعد مسلمان قوم سیاسی عقل اور دور اندیشی سے محروم ہو رہی تھی۔

اُس وقت دکن یعنی جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کی بڑی طاقت مرہٹوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور شمال میں افغان اسلام کا عَلَم ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ مشرق میں چھوٹے چھوٹے ہندو مسلمان اُمراء حکومتیں کر رہے تھے۔ مغرب میں بھی یہی حال تھا

مگر سب کی نظریں دلّی پر تھیں

مرہٹے بھی دلّی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ انگریز بھی اسی تاک میں تھے۔ بنگال اور بہار اور یو پی کے صوبے دار بھی اسی فکر میں تھے کہ موقع ملے تو دہلی کے بادشاہ بن جائیں۔ فرانسیسی اور پرتگیز بھی انہی منصوبہ بازیوں میں مشغول تھے۔

مسلمانوں کی مرکزی طاقت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ تاہم صوبوں میں مسلمان بہت طاقتور تھے۔ دکن میں آصف جاہ نظام الملک بہت بڑی طاقت رکھتے تھے۔ اودھ میں نواب شجاع الدولہ کی حکومت ایک بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی جو نواب برہان الملک اور نواب منصور علی خاں صفدر جنگ وزیر اعظم ہندوستان کی نسل میں تھے۔ اور ایران کے رہنے والے تھے۔ اور شیعہ مذہب رکھتے تھے۔

روہیلکھنڈ میں افغانوں کی کئی حکومتیں تھیں۔ دوندے خاں اور احمد خاں بنگش اور حافظ رحمت خاں اور نواب نجیب الدولہ ان سب میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے

پنجاب میں سکھوں کی طاقت اُبھر رہی تھی اور وہ بھی دلّی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ موقع ملے تو چڑھ دوڑیں اور قبضہ کرلیں۔ مگر افغانستان میں ایک زندہ دل اور

زندہ شکل زبردست طاقت موجود تھی۔ یعنی غازی احمد شاہ دُرّانی جن کو احمد شاہ ابدالی بھی کہا جاتا تھا تمام افغانستان پر چھائے ہوئے تھے۔ اور دہلی پر بھی قبضہ کر کے اپنی افغانی دھاک، تمام ہندوستان پر بٹھا چکے تھے۔ پنجاب میں اُن کا بیٹا تیمور شاہ حکومت کرتا تھا۔ بنگال میں انگریزوں کا قدم جم گیا تھا اور وہ ہندوستان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ مگر ان کے دو یورپین حریف بھی تھے۔ ایک فرانسیسی اور ایک پرتگیزی۔ کہ وہ دونوں بھی ہندوستان کے مالک بن جانے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔

گویا ہندوستان کی حالت یہ تھی کہ ہندوؤں کی سب سے بڑی طاقت مرہٹوں کے ہاتھ میں تھی اور مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت افغانوں کے ہاتھ میں تھی اور یورپین قوموں کی بڑی طاقت انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ باقی سب چھوٹے چھوٹے حکمراں تھے۔

مرہٹہ حکمراں

اورنگ زیب کے زمانے میں سیوا جی نام کے ایک لٹیرے نے مرہٹہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر آج کل سیوا جی کی اولاد کا اقتدار باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ مرہٹہ حکومت برہمنوں کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اور اس حکومت نے ملکی بول چال کا بیاذ کر کے اپنا نام "پیشوا" رکھا تھا۔ اگرچہ حکومت کی زبان مرہٹی تھی۔ لیکن سرکاری فرمانوں کی تحریریں فارسی زبان میں ہوتی تھیں۔ اور حکومت کے محاورے اور اصطلاحیں بھی فارسی زبان کی برتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ حکمراں کے منصب کا نام بھی "پیشوا" رکھا گیا تھا۔ کہ یہ معلوم ہو سکے کہ برہمن حکمراں ہیں اور برہمن ہندوؤں کی چار ذاتوں میں سب سے اعلیٰ ذات مانی جاتی ہے اور اس کو پیشوائی کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ دہلی دربار سے اور افغان حکومتوں سے اور

پڑوس کی آصف جاہی حکومت سے جو خط وکتابت مرہٹوں کی ہوتی تھی وہ فارسی زبان میں ہوتی تھی اور اس میں "پیشوا" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

بالاجی پیشوا

جس زمانے کا حال اس کتاب میں ہے اُس وقت مرہٹہ حکومت کی باگ ڈور جن "پیشوا" کے ہاتھ میں تھی اُس کا نام بالاجی تھا۔ اور وہ ایک بہت جوشیلا اور متعصب برہمن تھا۔ اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو تمام ہندوستان کے ہندوؤں کی سیاسی اور فوجی طاقت بالاجی پیشوا کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ تمام ہندوستان میں مسلمانوں کی بےشمار ریاستیں اور حکومتیں تھیں لیکن اُن سب میں ایکہ نہیں تھا۔ اسی طرح ہندو راجپوتوں کی بھی بہت سی ریاستیں تھیں مگر وہ بھی آپس میں متحد نہیں تھیں لیکن ہندوؤں کی سب ریاستیں پایہ تخت پونا کے پیشوا بالاجی کو اپنا مرکز مانتی تھیں۔ اور مسلمان ریاستوں میں افغان ریاستیں احمد شاہ ابدالی کو اپنا مرکز سمجھتی تھیں اور اودھ کی شیعہ حکومت اور نظام کی سُنّی حکومت خود اپنی اپنی ذات کو مرکز بنانے کی فکر میں تھیں۔

پنجاب کے سکھ سمجھتے تھے کہ مرہٹوں نے بھی لوٹ مار کے ذریعے سلطنت قائم کی ہے ہم بھی اسی طرح سلطنت قائم کر سکتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کی حیثیت ایسے آدمی کی سی تھی جو اپنا بچاؤ کرنا چاہتا ہو۔ اور ہندوؤں کی حیثیت حملہ کرنے والوں کی سی تھی یعنی مسلمان یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہماری ہستی خطرے میں ہے اور ہم کو احمد شاہ ابدالی کے مرکز پر جمع ہو جانا چاہئے۔ اور ہندو محسوس کر رہے تھے کہ پیشوا کی حکومت ہماری قومی حکومت ہے اور اس کے سہارے سے ہم ہندوستان میں دوبارہ ہندو راج قائم کر سکتے ہیں۔

سورج مل جاٹ

بھرت پور کا ایک معمولی زمیندار سورج مل نام کا تھا۔ اور اُس نے اورنگ زیب کی اولاد کی کمزوریوں

فائدہ اٹھاکر بھرت پور کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور بہت طاقتور ہوگیا تھا۔ اور اُس کے بیان کی بموجب ۹ کرور روپے نقد اُس کے پاس تھے۔ اور جاٹوں کی فوج بھی بہت بڑی رکھتا تھا۔

اودھ کے صوبے دار نواب شجاع الدولہ تھے جو ایران کے رہنے والے تھے اور شیعہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کے مورث منصور علی خاں صفدر جنگ سے سورج مل کی دوستی تھی۔ ایک دفعہ منصور علی خاں صفدر جنگ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے دروازے پر آکر ٹھیرے۔ سورج مل جاٹ بھی ساتھ تھا۔ اور چوبدار کو درگاہ میں بھیجا کہ جو تبرکات اس درگاہ سے وزیروں کو دیے جاتے ہیں وہ ہمارے واسطے لیکر یہاں آئیں۔ درگاہ والوں نے صفدر جنگ کی طاقت کا خیال نہ کیا اور نہایت ناسمجھی کا جواب دیا کہ یہ تبرکات ایسے نہیں ہیں کہ ہم خود باہر آئیں۔ نواب وزیر کو درگاہ میں حاضر ہوکر یہ تبرکات لینے چاہئیں۔

چوبدار نے یہ جواب ایسے الفاظ میں ادا کیا جو بہت نامناسب الفاظ تھے یعنی کہا "درگاہ والے کہتے ہیں یہ تبرکات رافضی کو نہیں دیے جائینگے۔ رافضی اندر آئے اور تبرکات لے۔" صفدر جنگ آگ بگولہ ہوگیا اور اُس نے سورج مل جاٹ کو حکم دیا یہ لوگ شاہی نذرانوں سے بہت دولتمند ہوگئے ہیں اور ان میں غرور پیدا ہوگیا ہے۔ تو جا اور ان کی بستی کو اور درگاہ کو لوٹ لے۔ سورج مل نے جواب دیا "یہ دیوتاؤں کی جگہ ہے۔ اور تمام ہندوستان کے مسلمان اس درگاہ کو مانتے ہیں اگر میں آپ کے حکم کی تعمیل میں اس درگاہ اور بستی کو لوٹوں گا تو تمام ہندوستان میں بدنام ہوجاؤں گا۔" صفدر جنگ نے جواب دیا "ان دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے کہ یہ لوگ لوٹے جائیں۔ مجبوراً سورج مل فوج لیکر آیا اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد درگاہ اور بستی پر قابض ہوگیا۔ اور ہر چیز لوٹ کر بھرت پور لے گیا۔ یہاں تک

کہ درگاہ کا قیمتی کتب خانہ بھی سے گیا۔

یہ حکایت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ افغانوں اور مرہٹوں اور انگریزوں کے بعد اگر کوئی اور قوم بھی ہندوستان کا مالک بننے کا منصوبہ باندھ رہی تھی تو وہ جاٹ قوم تھی - بھرت پور میں ہندو جاٹ تھے - اور پنجاب میں سکھ جاٹ تھے لیکن سکھ جاٹوں میں تنظیم نہیں تھی - اور ہندو جاٹوں کو سورج مل جیسا دانش مند اور سیاست داں اور جنگ باز سردار میسّر تھا -

افغانوں پر حملہ

اب میں پانی پت میں ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی کا بیان شروع کرتا ہوں اور یہ لڑائی کیوں ہوئی؟ اس کے ابتدائی حالات بتلانے ضروری سمجھتا ہوں۔

پونا دربار کے بالاجی پیشوا نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جب تک افغانستان کی مرکزی طاقت کو ختم نہیں کیا جائے گا، ہندوستان سے مسلمانوں کی پراگندہ طاقتیں دور نہیں ہونگی اور تمام ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کا منصوبہ جبھی پورا ہوگا کہ پہلے پنجاب سے احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ کو نکالا جائے اور پھر کابل پر قبضہ کر کے افغانوں کی مرکزی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے - اس لئے بالاجی پیشوا نے اپنے بھائی راگھوناتھ راؤ کو ایک زبردست فوج کے ساتھ بھیجا کہ پنجاب سے تیمور شاہ کو نکال کر کابل تک بڑھا چلا جائے۔

بالاجی بہت سمجھدار آدمی تھا - مگر اس نے راجپوت ریاستوں اور سکھوں اور بھرت پور کے جاٹوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوئی تدبیر نہیں کی - بلکہ مرہٹوں نے راجپوت ریاستوں پر حملے کر کے سب راجپوتوں کو فکر مند کر دیا تھا اور ہر راجپوت ریاست مرہٹوں کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتی تھی اور سکھ بھی مرہٹوں کو اپنا

دشمن خیال کرتے تھے۔ اور مرہٹوں کا برتاؤ بھی سکھوں کے خلاف بہت بُرا تھا۔

مرہٹوں کی عادت تھی جو اُن کو سیوا جی سے ورثے میں ملی تھی کہ جس ملک میں جاتے تھے اُس کو لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ چنانچہ راگھوناتھ راؤ بھی پنجاب کی طرف بڑھا تو راستے میں جن ہندو مسلمانوں کی ریاستیں ملیں اُن کو لوٹتا کھسوٹتا اور تباہ و برباد کرتا ہوا آندھی کی طرح بڑھتا ہوا چلا گیا پنجاب میں دہلی کی مغل سلطنت کا صوبے دار آدینہ بیگ تھا۔ راگھوناتھ راؤ نے تمام پنجاب میں ہلچل ڈال دی۔ اور سکھوں کو تو اتنا زیادہ لوٹا اور برباد کیا کہ وہ بیچارے عورتوں اور بچوں کو اور گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور شاہ بھی اس آندھی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اور اپنے باپ کو سانڈنی سواروں کے ذریعے خبریں بھیجیں۔ احمد شاہ ابدالی اُس وقت قندھار میں تھے۔ وہ فوراً یلغار کرتے ہوئے پنجاب کی طرف بڑھے۔ راگھوناتھ راؤ نے یہ خبریں سُنیں تو ایسا گھبرایا کہ پونا دربار کے حکم کا انتظار کئے بغیر پنجاب سے اُلٹا بھاگا۔ یہ حالت پنجاب کے مسلمانوں اور سکھوں نے دیکھی تو وہ سب مرہٹوں پر حملہ آور ہوئے اور اُن کو اتنا لوٹا کہ راگھوناتھ راؤ کی فوج کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور مورخوں نے حساب لگایا ہے کہ مرہٹہ پیشوا کو راگھوناتھ راؤ کی مہم میں اٹھاسی لاکھ روپئے کا نقصان ہوا۔

نجیب الدولہ سے لڑائی

اگرچہ نواب نجیب الدولہ مرہٹوں کے راستے سے الگ تھے لیکن احمد شاہ ابدالی کی حکومت کو مسلمانوں کی مرکزی حکومت سمجھتے تھے۔ اور جب راگھوناتھ راؤ نے پنجاب پر حملہ کیا اور افغانستان تک جانا چاہا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ مرہٹوں

کی پشت پر حملہ کریں تاکہ افغانستان کی فوج اور نجیب الدولہ کی فوج کے محاصرے میں مرہٹوں کا خاتمہ ہو جائے۔

پنجاب سے راگھوناتھ راؤ کے بھاگنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کو نجیب الدولہ کی جنگی چال کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے جب راگھوناتھ راؤ پنجاب سے بھاگا تو اُس نے ارادہ کیا کہ نجیب الدولہ کو نیست نابود کر کے دکن کو واپس جائے۔ یہ خبر نجیب الدولہ کو ہوئی تو وہ اپنی فوج لیکر خود مرہٹوں پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تاکہ مرہٹے اُس کے ملک میں داخل نہ ہونے پائیں۔ راگھوناتھ راؤ کی فوج بہت زیادہ تھی۔ اور نجیب الدولہ بہت کمزور تھا۔ تاہم افغان بڑی ہمت سے لڑے۔ اور جب اُن کی حالت نازک ہوگئی تو شجاع الدولہ نے بھی افغانوں کی مدد کے لئے فوجیں بھیجیں۔ اور یہ حال دیکھ کر راگھوناتھ راؤ دکن کی طرف بھاگ گیا۔

پونا میں مشورے کا جلسہ

جب راگھوناتھ راؤ پنجاب سے بھاگا ہوا پونا پہونچا تو بالاجی پیشوا کے چچازاد بھائی سداشیو پنڈت بھاؤ نے راگھوناتھ راؤ کو بہت طعنے دئے کہ تو اتنی بڑی طاقت کے ساتھ گیا اور ۸۸ لاکھ روپئے خرچ کئے۔ مگر چند سکھوں اور مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ آیا۔ راگھوناتھ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا "تم بڑے سورما ہو تو اب کے تم جاتا۔ دیکھونگا افغانوں اور مسلمانوں سے کیونکہ جیت سکتے ہو؟"

آخر ایک دن بالاجی نے دربار کیا۔ جس میں مرہٹہ حکومت کے سب فوجی اور سِول سردار جمع ہوئے۔ اور بالاجی کی رانی بھی اس مشورے میں شریک ہوئی۔ کیونکہ اُس کو فکر تھا کہ بالاجی نے اپنے چچازاد بھائی بھاؤ کا اختیار بہت بڑھا دیا ہے۔

ایسا نہ ہو بالاجی کے بعد وہ پیشوا بن جائے اور میرا بیٹا بسواس راؤ محروم رہ جائے۔

یہ جلسہ مرہٹوں کی تاریخ میں بہت بڑا تاریخی جلسہ تھا۔ اسی جلسے میں وہ فیصلے ہوئے جو اگر کامیاب ہو جاتے تو سارا ہندوستان ہندوؤں کے قبضے میں آجاتا۔ اور ایک مسلمان بھی ہندوستان میں باقی نہ رہتا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے اس جلسے کے منصوبے اور مشورے مرہٹہ طاقت کی بیماری اور تباہی اور بربادی کا باعث بن گئے۔

جو تقریریں اس دربار میں ہوئیں اُن کی تفصیلات مختلف مرہٹہ تاریخوں میں اور انگریزی تاریخوں میں اور کچھ مسلمانوں کی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اگر اُن سب تقریروں کو نقل کیا جائے تو اس کتاب کا اصل مضمون رہ جائے گا اور ایک ضخیم کتاب محض تقریروں کی ہو جائیگی۔ خلاصہ ان سب تقریروں کا یہ تھا کہ "مسلمان افغانستان کے راستے سے ہندوستان میں آتے رہے اور آتے رہتے ہیں۔ اور اب بھی احمد شاہ ابدالی کے پاس اتنی بڑی طاقت موجود ہے جو ہماری حکومت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم سب کو اس مقصد کے لئے ایک دل ہو جانا چاہئے کہ افغانستان کے مرکز کابل پر قبضہ کرلیں اور افغانوں کی طاقت کو ہندوستانی مسلمانوں کی امداد کے لئے جمع نہ ہونے دیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک ایک مسلمان ریاست کو ختم کرنے کا کام شروع کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ ایک اسلامی ریاست بھی ہندوستان میں باقی نہ رہنے پائے

سومنات کا انتقام

سداشیو چنٹ بھاؤ نے کہا "ہمارے دل محمود غزنوی کے حملوں سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اور وہ زخم صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اب تک ہرے ہیں۔

محمود نے متھرا کے مندروں کو توڑا، قنوج کے مندروں کو برباد کیا اور کوئی بڑا بت خانہ باقی نہ چھوڑا - یہاں تک کہ سمندر کے کنارے آکر سومنات کا مندر بھی توڑ ڈالا - اب ہم کو اپنے زخموں کا علاج کرنا ہے اور اب ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم مسلمانوں کو بتا سکتے ہیں کہ ہم سومنات کی مورتی کی بے عزتی کو بھولے نہیں ہیں - وقت آ گیا ہے کہ ہم سومنات کی مورتی شاہجہان کی بنائی ہوئی جامع مسجد دہلی کے منبر پر نصب کریں اور پھر پنجاب پر قبضہ کر کے افغانستان میں گھس جائیں اور غزنی میں جا کر محمود غزنوی کا مقبرہ ڈھا دیں - اور اس کی لاش کو قبر سے نکال کر اس کے دانت توڑ ڈالیں - اور پھر اس کو آگ میں جلا دیں - اور دنیا کو دکھا دیں کہ ہندوستان کے ہندو غیرت اور حمیت رکھتے ہیں - اور جب ان کو موقع ملتا ہے بدلہ لے لیتے ہیں"

بالاجی پیشوا نے اپنے چچا زاد بھائی کی یہ جوشیلی تقریر سنی تو کہا "میں اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی بڑا ارادہ رکھتا ہوں - میں ہندوستان کو مسلمانوں سے صاف کر دینے کے بعد ایسا انتظام کر دینا چاہتا ہوں کہ پھر کوئی مسلمان طاقت ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکے" اس کے بعد بالاجی پیشوا نے سب امیروں وزیروں سے رائے پوچھی اور قرار پایا کہ پیشوا کے چچا زاد بھائی کی سپہ سالاری میں ایک جرار فوج بھیجی جائے جو پہلے دہلی کی مغلی حکومت کا خاتمہ کرے - پھر ہندوستان کی افغان ریاستوں کو چھیڑے بغیر سیدھی پنجاب میں جائے اور احمد شاہ ابدالی کو اٹک کے کنارے روکے اور اس کو مغلوب کر کے کابل اور قندھار اور غزنی چھین لے - اور پھر افغانستان میں ٹھہر کر نظام شروع کرے - اور بالاجی دوسری فوج تیار کر کے ہندوستان کی ایک ایک مسلمان

ریاست کو چھین چھین کر ختم کر ڈالے۔

بالاجی کی رانی بھی دربار میں بیٹھی تھی۔ اُس نے یہ سب تقریریں سُنیں تو آخر میں کہا "میری رائے یہ ہے کہ پیشوا کا بڑا بیٹا بسواس راؤ بھی اس فوج کے ساتھ دہلی جائے اور دہلی پر قبضہ ہو جائے تو مغل بادشاہ کی جگہ بسواس راؤ کو تخت نشین کیا جائے تاکہ بسواس راؤ ملک کے اندر کا انتظام برقرار رکھے اور پیشوا پونہ سے اُس کی کمک کرتا رہے۔ اور بھاؤ پنجاب لیتا ہوا افغانستان میں گھس جائے"

ابراہیم گاردی کا بیان

پیشوا کی فوج کا آتش خانہ بہت بڑا تھا۔ یعنی توپیں بندوقیں وغیرہ آتشی ہتھیاروں کو آتش خانہ کہا جاتا تھا۔ اور وہ ایک افغان سردار ابراہیم خاں گاردی کے اختیار میں تھا۔ ابراہیم خاں کو بھی اس دربار میں شریک کیا گیا تھا۔ اُس نے یہ سب تقریریں سُنیں اور خاموش رہا۔ بالاجی پیشوا نے یہ خیال کر کے کہ مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا بُرا اثر ابراہیم خاں پر ہوا ہوگا اُس کو مخاطب کر کے کہا "بھاؤ نے جو کچھ کہا اور ہم نے جو کچھ کہا اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں بلکہ جن مسلمانوں نے ہندو مذہب کی توہین کی ہے اُن کے خلاف ہمیں انتقامی کام کرنا ہے۔ ورنہ سب لوگ جانتے ہیں کہ حکومت اور ریاست کے معاملے میں ہم ہندو ریاستوں سے بھی لڑتے ہیں اور سکھوں سے بھی لڑتے ہیں۔"

ابراہیم گاردی نے کھڑے ہو کر کہا "میں اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اپنی پوری وفاداری کا یقین دلاتا ہوں۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے اس لئے میری نمک حلالی آپ پر ہر جگہ ظاہر ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ میں اپنے ملک افغانستان کے لئے بھی آپ کا وفادار رہوں گا۔ مگر یہ چیز میں برداشت نہیں کر سکتا کہ جامع مسجد دہلی کو

منبر پر سومنات کی مورت نصب کی جائے ۔ اگر ایسا ہوا تو میں بھی اور میرے ساتھی سب افغان بھی اپنی جانیں مسجد کی عزت بچانے کے لیئے قربان کردیں گے۔"

ابراہیم گاردی کی یہ تقریر سن کر دربار میں سناٹا چھا گیا ۔ اور بالاجی پیشوا نے بھاؤ کو دیکھا اور سب درباریوں کو دیکھا اور سب درباریوں نے پیشوا کو دیکھا ۔ اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک بڈھا مرہٹہ سردار کھڑا ہوا ۔ اور اُس نے کہا "ابراہیم گاردی سچ کہتا ہے ۔ بھاؤ نے جو تقریر کی ہے وہ راج نیتی کے خلاف ہے ۔ محمود غزنوی نے جو کچھ کیا وہ ہندو مذہب کو ذلیل کرنے کے لیئے نہیں کیا ۔ بلکہ جن مسلمانوں کو لوٹ مار کے لیئے ساتھ لیکر آیا تھا اُن کے جاہلانہ جوش سے فائدہ اٹھانے کے لیئے اُس نے یہ سب کچھ کیا تھا ۔ اور ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ محمود غزنوی کا گناہ کئی صدی کے بعد اُن مسلمانوں کے ذمے نہیں لگایا جا سکتا جن کو محمود غزنوی سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ بیشک اورنگ زیب سے ہم سب ناراض ہیں ۔ لیکن دہلی کی جامع مسجد اُس کے باپ شاہجہاں نے بنائی تھی ۔ اورنگ زیب نے اپنے باپ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی سب کو معلوم ہے ۔ پس ان حالات میں ہمارے لیئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ہم وقت سے پہلے ایسی باتیں زبان سے کہیں جن سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھائیں اور اُن کا جوش ہمارے خلاف بڑھ جائے ۔ اور اُن کا ایکا ترقی کرے اور ہم کو اپنے ایک بڑے منصوبے میں مشکلات پیش آئیں۔"

بالاجی پیشوا نے اس سردار کی تقریر سن کر کہا "میرے بھائی بھاؤ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہندوستان کے ہر ہندو کے دل کی آواز ہے ۔ پھر بھی میں راج نیتی کا خیال کر کے اپنے اُس سردار کی بات پسند کرتا ہوں جس نے جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت لگانے کے خلاف تقریر کی ہے۔"

اس کے بعد بالاجی نے کہا "میں راناجی کی رائے کو قبول کرتا ہوں ۔

سپہ سالاری تو بھاؤ کے نام رہیگی۔ لیکن میرا بیٹا بسواس راؤ بھی اس کے ساتھ جائیگا۔ اور بھاؤ کا فرض ہوگا کہ وہ دہلی پر قبضہ کرکے بسواس راؤ کو تخت پر بٹھائے اور خود آگے بڑھ جائے۔

قرعہ اندازی

جلسہ ختم ہونے کے وقت بالاجی پیشوا نے اہل دربار سے پوچھا تھا کہ سپہ سالار کس کو بنایا جائے؟ اس پر اختلافات ہوئے۔ بعض امیر کہتے تھے رگھوناتھ راؤ کو سپہ سالاری دی جائے۔ اور بعض لوگ بھاؤ کا نام لیتے تھے۔ آخر بالاجی پیشوا نے حکم دیا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ اور ان دونوں میں جس کا نام نکلے اسی کو سپہ سالاری دی جائے۔ چنانچہ اسی وقت قرعہ ڈالا گیا۔ اور قرعہ رگھوناتھ راؤ کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر رگھوناتھ راؤ کے حامی بہت خوش ہوئے اور بھاؤ کے حامی رنجیدہ ہوئے مگر رگھوناتھ راؤ اپنا نام نکلنے سے خوش نہ ہوا۔ اور اس نے کھڑے ہو کر کہا "مجھ سے گذشتہ سال کی لڑائی میں غلطیاں ہوئی ہیں اور میرا نام اپنوں میں بھی بدنام ہے اور پنجاب کے سکھ اور افغان بھی مجھ کو بزدل اور کمزور سمجھتے ہیں۔ اس واسطے میں اس خدمت سے معافی چاہتا ہوں۔"

یہ تقریر سن کر رانی نے کہا "رگھوناتھ راؤ کی بات سچی ہے۔ ہم کو افغانوں اور سکھوں کے نام و نشان کو ہندوستان سے مٹا دینا ہے۔ اس لئے رگھوناتھ راؤ کا سپہ سالار بنانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ کیونکہ رگھوناتھ راؤ کی ہیبت اور عزت پنجاب کے سکھوں اور مسلمانوں کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔"

اس کے بعد رانی صاحبہ نے اپنے چچازاد دیور پنڈت سداشیو بھاؤ کی بہت تعریف کی اور کہا وہ پیشوا کا بھائی بھی ہے اور پیشوا نے اس کی لیاقت کی وجہ سے

اس کو اپنی سلطنت کا مدار المہام بھی بنا رکھا ہے۔ اور اس میں رگھوناتھ سے بہت سے زیادہ بہادری بھی ہے اور ہمت بھی ہے اور جوش بھی ہے اور عقل بھی ہے
چونکہ رانی بھاؤ کو اپنے بیٹے کی حکومت کے راستے میں ایک کانٹا سمجھتی تھی اس واسطے اس نے بہت زیادہ تعریف بھاؤ کی درباروالوں کے سامنے بیان کی اس کے دل میں یہ بات تھی کہ مہم میرے بیٹے بسواس راؤ کے نام پر ہو اور بھاؤ اس کے نوکر کی حیثیت میں کام کرے اور دہلی پر قبضہ کرلینے کے بعد اس کا بیٹا بسواس راؤ دہلی میں ٹھہر جائے۔ اور لڑائی کا خطرہ بھاؤ کے سر پر آن پڑے جس میں اگر بھاؤ کامیاب ہوا تو میرے بیٹے کا نوکر رہے گا۔ اور اگر مارا گیا تو میرے بیٹے کے راستے سے ایک کانٹا دور ہو جائے گا۔

رانی کی تقریر سن کر بالاجی پیشوا نے اہل دربار سے پوچھا۔ سب نے جواب دیا رانی صاحبہ جو کچھ فرماتی ہیں بالکل ٹھیک ہے۔ یہ مہم راجکمار بسواس راؤ کے نام پر ہو اور اس کا سیناپتی (سپہ سالار) بھاؤ کو مقرر کیا جائے۔

دربار کے ایک سردار نے سوال کیا کہ میں رانی صاحبہ کی رائے کو تو ٹھیک سمجھتا ہوں مگر ابھی سکھوں کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی سکھوں نے اگر رگھوناتھ راؤ کی واپسی کے وقت مرہٹہ فوج کو لوٹا تو کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس پر اتنا زیادہ غصہ ظاہر کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ سکھوں کا نام و نشان ہندوستان میں باقی نہ رکھا جائے۔ کیونکہ سکھ بھی ہندو ہیں۔ اور رگھوناتھ راؤ نے بلاوجہ ان کو لوٹا اور مارا تھا اور ان پر سختی کی تھی۔ اس لئے انھوں نے بھی بدلہ لیا۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ سیناپتی بھاؤ اس مہم میں صرف مسلمانوں اور افغانوں کی تباہی کا خیال سامنے رکھیں۔ سکھوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں کیونکہ جب افغانوں کا کانٹا صاف ہو جائیگا تو یہی سکھ ہمارے کام آئیں گے۔

کیونکہ وہ ہندو ہیں اور ہماری حکومت بھی ہندو حکومت ہوگی"

بالاجی پیشوا نے بہت جوش میں آکر کہا "تم سکھوں کی حمایت کرتے ہو۔ تم نے اس بات کو نہیں سوچا کہ وہ مرہٹوں کی حکومت کے مسلمانوں سے زیادہ دشمن ہیں۔ کیونکہ وہ صرف سکھوں کا راج چاہتے ہیں۔ اور ہندوؤں اور مرہٹوں کو بھی مسلمانوں کی طرح اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ اس واسطے میں یہ معاملہ بھاؤ کی مرضی اور سمجھ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ پنجاب میں داخل ہونے کے بعد سکھوں کو اپنے راستے کا روکنے والا سمجھے تو اُن سے چشم پوشی کرے۔ ورنہ میں اُس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ افغانوں کے ساتھ سکھوں کا بھی صفایا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے اور اٹک کو عبور کرکے کابل اور غزنی اور قندھار افغانوں سے چھین لے۔

بالاجی پیشوا نے اپنے حکم کی تائید کے لئے اور اپنی بات کا اثر جمانے کے لئے اور اپنے سرداروں کا اور بھاؤ کا دل بڑھانے کے لئے یہ بھی کہا کہ اکبر کے زمانے میں ایک ہندو راجہ مان سنگھ نے پورے افغانستان پر قبضہ کرلیا تھا اور اسکی حکومت افغانوں کو اتنی زیادہ پسند تھی کہ آج تک راجہ مان سنگھ کا نام افغانستان کے ہر گھر میں عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ میں اپنے چچازاد بھائی بھاؤ کی عقل اور ہمت اور دوراندیشی پر اتنا زیادہ بھروسہ رکھتا ہوں کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب بھاؤ افغانستان پر قابض ہو جائیگا تو وہ ایسی ہی عقلمندی سے وہاں کا انتظام کریگا جیسی دانشمندی سے راجہ مان سنگھ نے اکبر کے زمانے میں افغانستان کا انتظام کیا تھا۔

ابھی بھاؤ نے محمود غزنوی کی قبر کا جو ذکر کیا تھا وہ محض اس کی جوانی کا جوش تھا ورنہ میں جانتا ہوں کہ جب وہ غزنی پہ قبضہ کرے گا تو اُس سے ایسی کوئی حرکت نہیں ہوگی جس سے افغانوں کا دل آزردہ ہو۔

بھاؤ کی یلغار

رگھوناتھ راؤ کی فراری کے ایک سال کے بعد یہ عظیم الشان جرار لشکر پونا سے روانہ ہوا تھا۔ اور بالاجی پیشوا نے کہہ دیا تھا کہ میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے ۵ لاکھ فوج لیکر روانہ ہونے والا ہوں۔

جب یہ لشکر پونا سے چلا تو دکن کے ہر ہندو میں ایک عجیب و غریب جوش نظر آتا تھا راستے میں جو شہر اور قصبے اور گاؤں ملتے تھے وہاں کے ہندو اس فوج کا استقبال کرتے تھے اور پھول برساتے تھے۔ اور مسلمان گھروں میں چھپ جاتے تھے یا جنگلوں میں چلے جاتے تھے۔ اور بعض مقامات پر مسلمان ایسا نہ کرتے تھے تو فوج والوں سے اذیت اٹھاتے تھے۔ اُن کے گھروں کو لوٹ لیا جاتا تھا اور اُن کی عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کی جاتی تھی۔

الغرض سواروں اور پیدلوں اور توپ خانوں کا یہ ایک بہتا ہوا دریا پونا سے سیرونج تک پہونچا تو راستے کی سب آبادیاں پالٹ گئیں یا لرز گئیں۔ اور اس لشکری سیلاب نے ہر نسل اور ہر قوم کے ہندوؤں میں بے حد جوش پیدا کر دیا۔

بیانہ

جب یہ آندھی بیانہ مقام پر پہونچی جو راجہ سورج مل جاٹ کی حکومت کا ایک مشہور قلعہ تھا اور جہاں بے شمار مسجدیں اور قبریں نامور مسلمانوں کی تھیں۔ وہاں اس فوج نے نامور امیروں اور حکمرانوں کی قبریں کھود دیں اور اُن کی لاشیں نکالکر اُن کے دانت توڑے۔

مُردہ انسانوں کے دانت توڑنے کا شوق بھاؤ کی فوج کو بہت زیادہ تھا۔

چنانچہ پونا دربار کی تقریر میں بھی بھاؤ نے یہی کہا تھا کہ میں غزنی فتح کر کے محمود غزنوی کی قبر کھود کر اُس کی لاش کے دانت توڑ ڈالوں گا۔ اور بالاجی پیشوا اور دوسرے سرداروں نے اس آتشی تقریر پر مصلحت اندیشی کا پانی ڈالا تھا مگر بھاؤ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔

بشن سنگھ کا مُسلمان کرنا

بالاجی پیشوا کا ایک بھائی ایک مسلمان طوائف کے بطن سے بھی تھا جس کا نام بشن سنگھ تھا۔ اور پیشوا نے اُس کو بھی ایک فوج دے کر بھاؤ کے ساتھ بھیجا تھا۔ راستے میں جب بھاؤ کو مسلمانوں سے نفرت حد سے بڑھی تو اُس سے کسی نے کہا آپ کے ایک بھائی کی ماں مسلمان ہے۔ اور وہ ہمارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ خود مسلمان نہیں ہے لیکن مسلمان ماں کا بیٹا ہے اور اُس کے ساتھ کھانے پینے کے سبب ہندو سرداروں کی پاکبازی قائم نہیں رہ سکتی یہ بات یا تو بھاؤ کے اشارے سے کہی گئی تھی یا از خود لوگوں نے کہی تھی لیکن بھاؤ کی جوشیلی متعصبانہ طبیعت کے موافق تھی۔ اس واسطے بھاؤ نے حکم دیا "بشن سنگھ کو ہمارے سامنے بلایا جائے"۔ جب وہ سامنے آیا تو بھاؤ نے کہا یہاں سب سرداروں کی یہ رائے ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ ہندو سردار تمہارے ساتھ کھانا نہ کھائیں پانی نہ پئیں اور اُن کا دھرم خراب نہ ہو اب وہ سب تم کو ہندو جانتے ہیں اور تمہارے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور اُن سب کا دھرم خراب ہوتا ہے"

بشن سنگھ نے جواب دیا "بیشک میری ماں مسلمان ہے لیکن میں شروع سے ہندو عورتوں اور ہندو مردوں کے ساتھ [illegible] ہوں اور ہندو مذہب کا پابند رہا ہوں کوئی بات یا کوئی رسم مسلمانوں کی میرے ساتھ [illegible]

تابعداری کروں گا۔ آپ میرے بھائی بھی ہیں اور میرے سپہ سالار بھی ہیں۔"
بالاجی کے بیٹے بسواس راؤ نے دخل دیا اور کہا کہ میرے نزدیک چاچا بشن سنگھ کا مسلمان کرنا پتاجی کو اچھا نہیں معلوم ہوگا۔ اتنا بڑا کام کرنے سے پہلے اگر پتاجی کو (یعنی بالاجی پیشوا کو) لکھ کر اجازت منگالی جائے تو مناسب ہوگا۔
بھاؤ نے بگڑ کر جواب دیا ہم سفر میں ہیں اور جب تک پونا سے جواب آئیگا ہم دلی سے آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ اور جس بات کا ہم کو ڈر ہے کہ ایک مسلمان ماں کے بیٹے کے ساتھ کھانے پینے کے سبب ہمارا دھرم خراب نہ ہو وہ بات روزانہ پیش آتی رہیگی اور ہم سب کا دھرم خراب ہوتا رہیگا۔
یہ سنکر بسواس راؤ نے کہا "میں بھی برہمن ہوں اور میں نے بھی ہندو دھرم کو سیکھا ہے۔ مجھے تو چاچا بشن سنگھ کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی بات دھرم کے خلاف معلوم نہیں ہوتی۔"
بسواس راؤ کی یہ بات سن کر تین چار سردار بگڑ کر بولے "تم ابھی بچے ہو۔ تم دھرم کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"
مجبوراً بسواس راؤ خاموش ہوگیا۔ اور بھاؤ نے ابراہیم خاں گاردی کو حکم دیا کہ ابھی بھائی بشن سنگھ کو لے جاؤ اور ان کو مسلمان بنالو۔ اور آئندہ ان کا کھانا پینا تم مسلمانوں کے ساتھ رہے گا۔ ہمارے ساتھ ہرگز نہ رہے گا۔
یہ بات بشن سنگھ کو بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا میرے جسم میں پیشوا کا برہمن خون ہے میں اس توہین کو برداشت نہیں کرسکتا۔ مجھے اجازت دی جائے کہ میں پونا واپس چلا جاؤں۔
بھاؤ نے جواب دیا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔
بات بڑھتی دیکھی تو راجہ سورج مل نے جھگڑا مٹانے کے لئے کہا "بشن سنگھ

تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم سے بات کرلوں پھر تم پونا جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنا۔

یہ کہہ کر سورج مل بشن سنگھ کو اپنے خیمے پہ لے گیا۔ اور وہاں بیجا کر کہا کہ موقع بہت نازک ہے۔ مہم بہت بڑی ہے۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے۔ بھاؤ نوجوان بھی ہے اور ناتجربہ کار بھی ہے۔ تم اُس کی باتوں کا خیال نہ کرو اور مسلمان ہو جاؤ تاکہ اُس کا وہم دور ہو جائے۔ اگر تم پونہ واپس چلے جاؤ گے تو یہ خبر چھپی نہیں رہیگی۔ مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائیگی اور اُن کی ہمتیں بڑھ جائینگی کہ اِن کے آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔

آخر بشن سنگھ راضی ہو گیا۔ اور ابراہیم گاردی کے پاس گیا۔ اور اُس نے بشن سنگھ کو مسلمان کیا اور شمشیر بہادر نام رکھا۔ ابراہیم گاردی کے ساتھی ایک مولوی نے کہا۔ اس کا نام اسمٰعیل خاں رکھو۔ مگر ابراہیم گاردی نے جواب دیا یہ شخص اپنے دل سے مسلمان نہیں ہوا ہے۔ بھاؤ کے حکم سے مجبور ہو کر مسلمان ہوا ہے۔ اس لئے میں اس کو ایک بڑے پیغمبر کا پاک نام نہیں دے سکتا۔ شمشیر بہادر نام ہی ٹھیک ہے۔

متھرا

جب یہ فوجیں بیانہ اور بھرت پور اور آگرے وغیرہ سے آگے بڑھیں اور متھرا میں پہونچیں تو سورج مل ساتھ تھا۔ کیونکہ یہ سب مقامات اُس کی حکومت میں تھے۔ اور متھرا بھی سورج مل کی حکومت میں تھا۔ بھاؤ شہر کے اندر داخل ہوا تو اُس نے اکبر کے زمانے والے مُلّا عبدالنبی کی بنائی ہوئی ایک عالی شان مسجد دیکھی۔ اور کچھ دیر اُس کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور اُسکی آنکھیں بھی طیش و غصّے کے سبب لال ہو گئیں اور اُس نے

نہایت سخت لہجے میں راجہ سورج مل سے کہا "جب متھرا ہماری حکومت میں آچکا ہے تو اتنی بڑی مسجد تم نے یہاں کیوں باقی رہنے دی؟"

راجہ سورج مل کئی دن سے دیکھ رہا تھا کہ بھاؤ مجھے خاطر میں نہیں لاتا اور بات بات میں حقارت کا برتاؤ کرتا ہے لیکن وہ وقت کی مصلحت کے سبب خاموش تھا۔ آج جب سب بڑے بڑے سرداروں کے سامنے بھاؤ نے بہت تلخ لہجے میں یہ سوال کیا تو اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے کہا "جب آپ دلی فتح کر لیں اور افغانستان کو بھی مغلوب کر چکیں اور باہر سے آنے والے مسلمانوں کے سب راستے بند کرنے میں کامیاب ہو جائیں تب میں بھی اس مسجد کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔ اگر اس سے پہلے میں اس مسجد کو توڑ ڈالتا اور یہ سمجھ لیتا کہ ہندوستان کی مسلمان بادشاہی کی طاقت ختم ہو گئی ہے تو چند روز کے بعد باہر کے ملکوں سے کوئی مسلمان بادشاہ فوجیں لیکر آجاتا اور اپنی ایک مسجد کے بدلے ایک سو یا ایک ہزار مندر ہندوؤں کے توڑ ڈالتا۔ تو اس کا پاپ میرے حساب میں لکھا جاتا میں نے مسلمانوں کے بہت سے تماشے دیکھے ہیں اور میرے بال دھوپ میں سفید نہیں ہوئے ہیں۔ مجھے ان علاقوں پر قبضہ کر لینے کے بعد کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے مسلمانوں کی طاقت ختم کر دی ہے۔ بلکہ رات دن مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ کبھی نہ کوئی مسلمان فوج لیکر آئیگا اور مجھے مغلوب کر کے یہ سب علاقے مجھ سے چھین لیگا۔

محمد شاہ رنگیلے بادشاہ کے وقت میں جب سادات بارہہ کا ایک سید محمد شاہ کے اشارے سے آگرے میں مار گیا تو اس وقت سیدوں نے میری مدد مانگی اور میں اپنا فائدہ دیکھ کر بادشاہی فوج کے مقابلے میں آیا اور لڑا۔ اگر اسی وقت تک کچھ علاقہ میرے ہاتھ آجاتے کیونکہ بادشاہ دہلی جا رہا تھا اور سید دلی کا ایک بھائی بھی دلی میں تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہاتھ آجائے گی

یہ سب دلی میں جا بیٹھینگے اور آپس میں لڑینگے اور یہ سب علاقہ میرے ہاتھ میں آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد راجہ سورج مل نے کہا کہ اب اگر آپ آنے والے خطروں سے مطمئن ہیں تو میں ابھی اس مسجد کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہوں۔

بھاؤ نے تیوری چڑھا کر بڑی نخوت اور حقارت کے ساتھ جواب دیا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔ میں تمہاری بے ہمتی کو سمجھ گیا۔ تم سے یہ کام نہیں ہوسکیگا تم جیسے کم ہمت ہندو نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ہمتیں اتنی نہ بڑھنے پاتیں۔ میں واپسی کے وقت سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ اس مسجد کا نام و نشان متھرا سے مٹا دوں گا۔"

راجہ سورج مل بھاؤ کے تیور دیکھ کر خاموش ہوگیا مگر جو تحقیر سورج مل کی بھاؤ نے سرداروں کے سامنے ہوئی تھی اُس سے سورج مل کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔

راجہ سورج مل کی نظربندی

چونکہ متھرا پہنچتے ہی خبریں آگئیں تھیں کہ احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں آگئے ہیں اور سب افغان حکومتیں اُن سے مل گئی ہیں۔ اور نجیب الدولہ نواب شجاع الدولہ کے پاس احمد شاہ کا کوئی خفیہ خط لے گئے ہیں اور تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عام جوش پیدا ہوگیا ہے۔ اس واسطے بھاؤ نے حکم دیا کہ کل مشورے کا دربار ہوگا۔ سب لوگ مقررہ وقت پر جمع ہوجائیں۔ دوسرے دن جب سب جمع ہوگئے تو بھاؤ نے اُن سب خبروں اور حالات کو بیان کیا جو [illegible] جاسوسوں کے ذریعے بھاؤ کو معلوم ہوتے تھے۔ اور اس کے بعد [illegible] ایک تقریر کی جس میں کہا ہم سب جس ہمت کے ساتھ آئے تھے وہ ان خبروں سے کم نہیں ہوئی ہے اور نہ کم ہوسکتی ہے۔ لیکن میں مشورہ لینا ضروری سمجھتا ہوں

ہم میں اس وقت راجہ سورج مل زیادہ تجربہ کار ہیں اور چونکہ وہ دہلی کے قریب ہیں۔ اور اُن کی عمر بھی زیادہ ہے۔اس واسطے وہ دہلی کی لڑائی کا طریقہ ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ جب میں نے چنبل دریا کے کنارے پہنچکر راجہ سورج مل کو خط بھیجا تھا کہ افغانوں نے ہندؤں کو ہندوستان سے مٹا دینے کا ارادہ کیا ہے اس واسطے ہر ہندو کا فرض ہے کہ وہ ہماری اس لڑائی میں ہمارا ساتھ دے۔ پس آپ کو بھی اپنی فوج اور جنگی سامان لے کر ہمارے پاس آجانا چاہیئے تو راجہ صاحب نے جواب دیا تھا کہ ہمیشہ پیشوا کی طرف سے جب کبھی کوئی پیغام آتا تھا تو ہلکر اور سیندھیا اس پیغام کو لیکر آتے تھے اور اس سے میری عزت بڑھتی تھی۔ مگر یہ خط ایک معمولی آدمی لے کر آیا ہے اس سے میری توہین ہوئی ہے۔ تو میں نے فوراً ملہار راؤ ہلکر اور سندھیا کو راجہ صاحب کے پاس بھیجا تھا اور راجہ صاحب میرے پاس آگئے تھے اور اب تک مہربانی کے ساتھ میری رفاقت کر رہے ہیں۔ اس واسطے میں اُنہیں سے پوچھتا ہوں کہ احمد شاہ ابدالی اور ہندوستان کی افغان حکومتوں اور دوسری مسلمان حکومتوں کے ایک دل اور ایک عمل ہو جانے کی خبریں آجانے کے بعد اب ہم کو لڑائی کا کیا ڈھنگ اختیار کرنا چاہیئے؟"

راجہ سورج مل یہ بات سن کر بولے یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ مجھکو اپنے سب سرداروں سے پہلے مخاطب کرنے کا شرف عنایت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میں ایک معمولی زمیندار ہوں۔ اور میں نے جو کچھ ترقی حاصل کی ہے وہ پہلے سے سوچ سمجھ کر کام کرنے سے حاصل کی ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ ہمارا آتش خانہ بھی بہت مضبوط اور بہت بڑا ہے اور ہمارے پاس لاکھوں سوار اور پیدل بھی ہیں۔ اور ہر طرح کا جنگی سامان بھی ہے۔ اور ہمارے گھوڑے بھی

افغانوں سے زیادہ اچھے ہیں اور ہمارے سپاہی بھی بڑے بہادر اور سرفروش ہیں۔ مگر پھر بھی میرے خیال میں حالات بہت نازک ہو گئے ہیں اور مسلمانوں میں مذہبی جوش بھی پیدا ہو گیا ہے اور اپنی عزت اور آبرو اور جان بچانے کا خیال بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہ آخری بازی ہے۔ اگر اس وقت ہم نے ایک دل ہو کر کام نہ کیا تو ہماری حکومتیں بھی ختم ہوئیں۔ اور ہماری آبرو بھی گئی اور ہماری جانیں بھی گئیں۔ اور پھر ہماری قوم کا ایک آدمی بھی ہندوستان میں باقی نہ بچیگا۔"

اس کے بعد راجہ سورجمل نے بھاؤ کی طرف دیکھ کر کہا "خیال آپ کا بھی یہی ہے اور بالاجی پیشوا کا بھی یہی ہے اور آپ کے سرداروں کا بھی یہی ہے کہ اگر یہ آخری بازی ہم ہندو ہار گئے تو ہمارا ابھی کہیں ٹھکانا نہیں رہیگا۔ مگر میری آنکھیں جب آپ سب کے اور ہندوستان کے ہندوؤں کے دلوں کی گہرائیوں کو دیکھتی ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنا جوش افغانوں اور مسلمانوں میں ہے اتنا جوش آپ سب کے اندر نہیں ہے۔ اور خطرے کی نازک حالت اور یقینی حالت جتنی مسلمانوں نے سمجھی ہے اتنی آپ نے نہیں سمجھی ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو مجھے ڈرلتی ہے اور خوف دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنی کم عمری کے سبب احمد شاہ ابدالی کی لڑائی کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم سب کو اپنی ہمتوں اور دلوں کے جوش کا سچا اندازہ کرنا چاہئے ظاہری باتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ پس میں رائے دیتا ہوں کہ اس وقت اپنے خزانوں کو اور اپنی عورتوں کو اور اپنے بھاری بھاری سامان کو جھانسی یا گوالیار کے قلعوں میں بھیجدیا جائے۔ اور ہم سب ہلکے پھلکے ہو کر قزاقانہ چھاپے مارتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں۔ اور جب بھی بھاگنے کا موقع ہو بھاگ آئیں اور پھر چھاپہ ماریں۔ اس طرح ہم مسلمانوں کی اس قوت کو جو جمع ہو گئی ہے

بکھیر دینگے اور اُس جوش کو جو بھڑک رہا ہے ٹھنڈا کر دینگے۔ اور اُس ہمت کو جو ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو گئی ہے دلوں سے دور کر دینگے۔ اور اگر آپ یہ خیال کریں کہ جھانسی اور گوالیار کے قلعے جو آپ کی مرہٹہ حکومت کے ہیں یہاں سے بہت دور ہیں تو میں اپنی ریاست کے چار بڑے بڑے قلعے پیش کرتا ہوں۔ ان چاروں میں یا تین میں یا دو میں یا ایک میں عورتوں کو اور خزانوں کو اور بھاری چیزوں کو محفوظ کر دیجئے۔

راجہ سورج مل کی زبان سے یہ آخری فقرہ نکلتے ہی بھاؤ نے تیوری چڑھا کر کہا "یعنی آپ ہماری عورتوں اور ہمارے خزانوں کے مالک بنا دیے جائیں۔ اور ہم آپ کے رحم کی پناہ میں آجائیں؟"

راجہ سورج مل نے کہا "جی نہیں۔ میں ایک تجویز پیش کر رہا ہوں" یہ کہکر راجہ سورج مل اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو بھاؤ نے بہت تیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "راجہ صاحب بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کی ہمت ختم ہو گئی ہے۔ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ان کا دل پہلے ہی سے بہت چھوٹا تھا۔ اور انھوں نے جو کچھ تھوڑی بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ محض قسمت اور تقدیر سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کی عقل اور تدبیر کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے"

اس کے بعد بھاؤ نے اپنے مرہٹہ سرداروں کی طرف دیکھا۔ وہ اگرچہ دربار کا رنگ دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بڑی مضبوطی اور ہمت سے کام لیا اور جو سردار کھڑا ہوتا تھا وہ سورج مل کی بات کی حمایت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے۔

تب بھاؤ نے جھلا کر کہا "دربار ختم کیا جاتا ہے۔ جو فیصلہ کیا جائیگا اس کا حال کل سب کو معلوم ہو جائے گا۔

یہ سنکر سب لوگ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہوئے

دربار سے اٹھے اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

بھاؤ نے اپنے خیمے میں آکر حکم دیا کہ راجہ سورج مل کے خیمے پر پہارے آدمی مقرر کئے جائیں اور پوری نگرانی رکھی جائے کہ وہ کہیں بھاگ نہ سکیں مگر انتظام ایسا ہو کہ راجہ سورج مل چھاؤنی کے اندر جہاں چاہیں آئیں جائیں اس میں کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

جب یہ بات سورج مل کو معلوم ہوئی کہ مجھے بھاؤ نے نظر بند کر دیا ہے تو وہ بہت بگڑا اور سیدھا ملہار راؤ ہلکر کے پاس گیا۔ اور اس سے سارا حال کہا۔ ہلکر نے جواب دیا "یہ بات بہت بری ہوئی ہے۔ اور بھاؤ نے بڑی غلطی کی ہے مگر آپ تجربہ کار ہیں۔ اور وقت کی نازک حالت کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سب مرہٹہ سردار آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر پیشوا نے بھاؤ کو سپہ سالار بنایا ہے۔ ہم سب کو اس کا حکم ماننا چاہئے میں کوشش کرونگا کہ بھاؤ کا خیال بدل جائے اور اس کا دل صاف ہو جائے اس وقت آپ اپنے علاقے میں واپس چلے جائیے گا"

دہلی پر حملہ

احمد شاہ ابدالی اپنی فوج کے ساتھ انوپ شہر میں تھے۔ جو بلند شہر کے قریب ایک مقام ہے۔ اور نجیب الدولہ شجاع الدولہ کے پاس گئے ہوئے تھے

احمد شاہ ابدالی کو معلوم ہو چکا تھا کہ بھاؤ نے مجھ سے پہلے شجاع الدولہ کے پاس قاصد بھیجا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لڑائی ہندوؤں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہندوستانیوں کے خلاف ہے۔ اور احمد شاہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کو بے حق کر کے افغانوں کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ اور سب افغان سنی ہیں

اور آپ شیعہ ہیں۔ اور ہندوستانی بھی ہیں۔ اس واسطے آپ کو ہمارا ساتھ دینا چاہئے۔ احمد شاہ کا ساتھ نہ دینا چاہئے۔

بھاؤ کا قاصد شجاع الدولہ کے پاس پہلے پہنچا تھا۔ اور اس سے شجاع الدولہ کی رائے بدل چکی تھی۔ نجیب الدولہ بعد میں پہنچے اور انہوں نے احمد شاہ ابدالی کا ذاتی خط شجاع الدولہ کو دیا۔ مگر شجاع الدولہ خاموش رہا۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ کی ماں کے پاس پیغام بھجوایا اور کہلایا کہ شیعہ سنی کی بحث کا وقت نہیں ہے۔ بھاؤ نے نواب شجاع الدولہ کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وہ ہم سب کو ختم کرنے کے بعد نواب صاحب کو بھی باقی نہیں رہنے دیگا۔

شجاع الدولہ کی ماں نے بیٹے سے کہا "مجھے نجیب الدولہ کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اور تم کو ایک بادشاہ نے بلایا ہے۔ اور بھاؤ بادشاہ نہیں ہے۔ اگر بالاجی پیشوا تم کو لکھتا تب تو وہ ایک بادشاہ کی بات ہوتی اور اس پر تم بھروسہ کرتے بھاؤ محض ایک فوجی سردار ہے۔ اُس کی بات کا اعتبار ایک بادشاہ کی بات کے سامنے نہیں کیا جا سکتا۔"

ایک نواب کی ماں اور ایک نواب کی بیوی کی اس عاقلانہ بات کا اثر شجاع الدولہ پر ہوا۔ اور وہ نجیب الدولہ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس جانے کو راضی ہوگیا اور فوراً روانہ ہونے کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔

جب دہلی میں مرہٹہ بھونچال قریب آجانے کی خبریں پہنچیں تو بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ محمد شاہ رنگیلے کا بیٹا احمد شاہ محض نام کا بادشاہ تھا۔ یعقوب علی خاں قلعہ دار تھا۔ اور بہت معمولی سی فوج دہلی کی حفاظت کے لئے تھی۔ مغل دربار کے دو مسلمان امیر متھرا کے قریب جاکر بھاؤ سے ملے تھے اور مغل بادشاہی کے خلاف سازشی عہد نامہ کر لیا تھا۔ اور اس سے بھاؤ کی ہمت بہت بڑھ گئی تھی۔ یعقوب علی خاں

احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم اشرف الوزراء کا خالہ زاد بھائی تھا اور احمد شاہ ابدالی نے دہلی کے بادشاہ کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لئے گذشتہ فتح دہلی کے بعد بادشاہ کے لال قلعے میں قلعہ دار بنوا دیا تھا۔

بھاؤ نے دہلی کے قریب پہنچکر یعقوب علی خاں کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ہم سے لڑنے کی تیاریاں کی ہیں اور تم کو احمد شاہ ابدالی کی امداد کا گھمنڈ ہے۔ مگر جب تک ابدالی تمہاری مدد کو پہنچے میں تمہارا اور تمہارے بادشاہ کا اور تمہارے لال قلعے کا اور تمہارے دہلی شہر کا خاتمہ کر دوں گا اور اینٹ سے اینٹ بجادونگا۔ لہذا خیر چاہتے ہو تو لال قلعہ حوالے کردو۔ ورنہ مجھ کو قریب پہنچا ہوا جانو۔"

یعقوب علی خاں نے اگرچہ شہر اور قلعے کے بچاؤ کے لئے بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ ۳ لاکھ ہزار فوج کے سامنے میرے مٹھی بھر سپاہی کچھ نہیں کر سکتے۔ اور احمد شاہ ابدالی بھی میری مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ جمنا دریا چڑھا ہوا تھا۔ اور فوج کے عبور کے قابل کشتیاں نہیں تھیں۔ اور احمد شاہ ابدالی اتوپ شہر سے دہلی تک جلدی نہ پہنچ سکتے تھے تاہم انہوں نے اسلامی مردانگی سے جواب دیا ہم قلعہ خالی نہیں کرینگے اور جو کچھ ہو سکیگا مرتے دم تک کرتے رہینگے۔

بھاؤ نے یہ جواب سُن کر قلعے کے چاروں طرف مورچے لگائے اور قلعے پر گولہ باری شروع کی۔ اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم اشرف الوزراء کا خط آیا کہ دہلی لڑائی کے قابل جگہ نہیں ہے تم بھاؤ سے صلح کرلو اور شہر اور قلعہ اُس کو دیدو۔ تاکہ وہ دہلی سے آگے بڑھے اور ہم ایک کھلے میدان میں اُس سے لڑنے کے لئے جمنا عبور کرکے آجائیں۔"

چنانچہ یعقوب علی خاں نے صلح کا پیغام قبول کرلیا اور لال قلعے کی کنجیاں بھاؤ کو بھیجدیں۔ بھاؤ کی فوج قلعے کے اندر آگئی اور اُس نے بادشاہ کے محل پر

پہرہ لگا دیا اور قلعے کی سب عمارتوں پر پیشوا کے جھنڈے گاڑ دیے۔

بسواس راؤ کو تخت پر بٹھانے کی تجویز

بھاؤ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ پیشوا نے اور اس کی رانی نے بسواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھانے کی اس لئے تاکید کی ہے کہ بسواس راؤ ہندوستان کا مالک بن جائے اور میں یا تو افغانوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں اور یا اپنے بھتیجے کا نوکر بن کر رہوں۔ اس واسطے جب لال قلعے پر اس کا قبضہ ہوگیا اور اس سے کہا گیا کہ اب بسواس راؤ کو تخت نشین کرنے کا موقع ہے اور دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت نصب کرنا بھی کچھ مشکل نہیں رہا ہے تو بھاؤ نے جواب دیا "جب تک ہم احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ وغیرہ افغانوں کا قصہ پاک نہ کریں اس وقت تک ہمیں ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس سے بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اس لئے نہ بسواس راؤ کی تخت نشینی مناسب ہے نہ جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت لگانی ٹھیک ہے۔

سونے کی چھت

لال قلعے کے دیوان خاص کی چھت میں سونے کے پترے جڑے ہوئے تھے اور ان پر نہایت خوبصورت مینا کاری تھی۔

بھاؤ نے کہا ہم کو یہ سونا اتار لینا چاہئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے شہنشاہ ہندوستان کا قلعہ لے لیا ہے اور اس سونے سے ہم فائدہ بھی اٹھا لینگے۔ چنانچہ دیوان خاص کی چھت سے سونے کے پترے اکھاڑے گئے۔ اور لال قلعے میں پیشوا کے نام کے سکے ڈھالے گئے اور اس طرح سات لاکھ روپئے کی

اشرفیاں تمام ہندوستان میں مرہٹہ سکہ بڑھانے کے لئے بھجوائی گئیں۔

بھاؤ کا خط پیشوا کے نام

مرہٹہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب دیوان خاص دہلی کی طلائی چھت اکھاڑ کر پیشوا کے سکے ڈھالے گئے اور پیشوا کو اور دکن کے خاص خاص لوگوں کو وہ اشرفیاں بھیجی گئیں تو بھاؤ نے پیشوا کو ایک خط بھی لکھا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

" ہم نے اورنگ زیب کے باپ کا قلعہ لے لیا ہے۔ اور ہمارے دیس کے لوٹے ہوئے سونے سے دیوان خاص کی جو چھت بنائی گئی تھی وہ سونا ہم نے چھین لیا ہے۔ اور اسی سونے کی یہ اشرفیاں ڈھالی گئی ہیں جو آپ کی خدمت میں روانہ کی جاتی ہیں۔

دلّی کے مسلمانوں نے ہماری فوج کے سپاہیوں پر گلیوں اور بازاروں میں جو حملے کئے تھے اس کا جواب دیدیا گیا ہے۔ اور وہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ زندگی کے دریا کے پار اتر گئے ہیں۔

دلّی کی بادشاہی کا کھلونہ یادشاہ اپنے محل کے طاق میں رکھا ہوتا ہے۔ اور مجھے ہر وقت موقع حاصل ہے کہ میں اس کھلونے کو جمنا جی میں ڈال کر بسواس راؤ کو اس کی جگہ بٹھادوں۔ مگر ابدالی جمنا پار انوپ شہر میں موجود ہے۔ میں اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ہم ادا کرنی مناسب نہیں سمجھتا۔"

کنج پورے پر حملہ

کرنال کے قریب افغانوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کنج پورہ نام کی تھی (جو اب بھی موجود ہے) جہاں بیس ہزار جنگ جو افغان رہتے تھے۔ بھاؤ کو اس کی خبر ملی

تو اس نے کہا - ابدالی برسات کے سبب جمنا کو عبور نہیں کر سکتا - اس لئے موقع ہے کہ ہم افغانوں کا یہ قلعہ جلدی توڑ ڈالیں تاکہ آگے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ہو - فوج کے سرداروں نے اس رائے کو پسند کیا - اور بھاؤ کنج پورے کی طرف روانہ ہو گیا -

سورج مل کی واپسی

جب بھاؤ کنج پورے کی طرف جانے لگا تو سورج مل جاٹ نے اجازت مانگی کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی فوج کے لئے رسد کا بندوبست کروں -

بھاؤ نے جواب دیا - تم جا سکتے ہو - رسد کا انتظام ہم نے کر لیا ہے - ہم کو ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے - جب ہو گی تو خبر بھیجدی جائے گی -

سورج مل کو اس جواب سے بہت رنج ہوا - اور وہ خون کا سا گھونٹ پی کر بھرت پور چلا گیا -

کنج پورے کی لڑائی

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ جب بھاؤ نے کنج پورے پر حملہ کرنے کی نیت سے حرکت کی اور دہلی سے اس کی فوجیں آگے بڑھیں تو دہلی کے مسلمانوں نے فوراً احمد شاہ ابدالی کو خبر بھیجی اور ابدالی نے حکم دیا کہ جمنا کا گھاٹ تلاش کرو کہ کوئی جگہ ایسی ہے جہاں سے ہم عبور کر سکیں - مگر دریا میں ایسی کوئی جگہ نہ ملی -

بھاؤ کی فوجیں کنج پورے کے سامنے پہنچیں تو افغانوں نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ مرہٹہ فوج کے حواس گم ہو گئے - مگر لاکھوں آدمیوں کی فوج کا بیس ہزار افغان مقابلہ نہ کر سکتے تھے - وہ اٹھے اور اپنی مردانگی کا حق ادا کر دیا - لیکن مرہٹوں نے ان کو گھیر لیا - اور چن چن کر سب افغانوں کو مار ڈالا - اور کنج پورے کے اندر جا کر

ایسی بے رحمی اور سفاکی کا برتاؤ کیا کہ کوئی رحم دل آدمی اس کو پسند نہ کرے گا۔ بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو بھی مار ڈالا۔ گھروں کو لوٹ لیا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو ان کو اور مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اور انھوں نے باغپت کے قریب آ کر پھر گھاٹ کی تلاش شروع کی۔

آخر کئی دن کی کوشش کے بعد ایک مقام عبور کے قابل مل گیا۔ اور ابدالی کی فوجوں نے دریا کو پار کرنا شروع کیا اور کئی دن میں مسلمانوں کی فوجیں جمنا کے پار اتر گئیں

دسہرہ

بھاؤ نے کنج پورے سے واپس آ کر دہلی میں دسہرے کا جشن منایا۔ اس کو دوہری خوشی تھی۔ ایک دسہرے کی۔ دوسرے کنج پورے کی فتح کی۔ مگر دسہرے کے دوسرے دن خبر آئی کہ احمد شاہ ابدالی نے اور اس کے ساتھی ہندوستانی مسلمانوں نے باغپت کے گھاٹ جمنا کو عبور کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی بھاؤ اپنی فوجیں لے کر دہلی سے باغپت کی طرف روانہ ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کی فوجیں دریا پار کرنے کے بعد ابھی دم بھی نہ لینے پائی تھیں کہ دشمن کی فوجیں سامنے آ گئیں۔ بھاؤ کی فوج کا شمار اور اس کے سرداروں کے نام عماد السعادت میں درج ہیں۔ جو یہ ہیں۔

"ملہار راؤ ہلکر کے ساتھ پانچ ہزار سوار تھے اور پیدل بے شمار تھے۔ جنکوجی سندھیا کے ساتھ چھ ہزار سوار تھے اور پیدل بھی بہت زیادہ تھے۔ دتا جی گائیکواڑ کے ساتھ تین ہزار سوار اور بکثرت پیدل تھے۔ جسونت راؤ پنوار کے ساتھ دو ہزار سوار تھے۔ سابجے راؤ کے ساتھ تین ہزار سوار تھے۔ راجہ وٹھل سنتر دیو کے ساتھ تین ہزار سوار تھے۔ اور لبھو اس راؤ کے خاص رسالے کے سوار پانچ ہزار تھے۔ اور کشن سنگھ کے ساتھ جو مسلمان ہو گیا تھا اور

شمشیر بہادر نام رکھا گیا تھا تین ہزار سوار تھے۔ اور امان جی مکھیرو کے ساتھ دو ہزار سوار تھے۔ اور ابراہیم خاں گاردی کے ساتھ دو ہزار سوار تھے اور نو ہزار پیادے تھے جن کو گاردی کہتے تھے۔ اور دو سو توپیں تھیں۔ اور توپ خانہ کے ساتھ جو بھاؤ کا حقیقی بھتیجا تھا آٹھ ہزار سوار تھے

عماد السعادت میں اُن ہندوؤں کی زبانی مرہٹہ سواروں کی تعداد لکھی گئی ہے جو مرہٹوں کی طرف سے شجاع الدولہ کے پاس رہتے تھے اس لئے انھوں نے سواروں کی تعداد بہت کم دکھائی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب لڑائی کے بعد لکھی گئی تھی۔ اور مرہٹوں کے آدمی یہ چاہتے تھے کہ اپنی فوج کی تعداد کم ظاہر کریں تاکہ شکست کی بدنامی تعداد کم ہو جائے۔ ورنہ مرہٹہ مورخوں اور مسلمان مورخوں دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بھاؤ کے ساتھ ایک لاکھ سوار تھے اور دو لاکھ سے زیادہ پیدل تھے اور توپخانہ بھی بہت زبردست تھا۔ اور ابراہیم خاں گاردی نے فرانسیسی استادوں سے توپوں کا استعمال سیکھا تھا۔ اور احمد شاہ ابدالی اور اُس کے ہندوستانی رفیقوں کے پاس توپیں بہت ہی کم تھیں اور اُن کے چلانے والے بھی کچھ زیادہ ماہر نہیں تھے۔

عماد السعادت میں حسب ذیل نام اسلامی سرداروں کے اور فوج کی تعداد درج کی گئی ہے:۔ (۱) برخوردار خاں (۲) اشرف الوزراء شاہ ولی خاں (۳) مراد خاں ایرانی (۴) سردار جہان خاں (۵) زمرد خاں قزلباش (۶) برخوردار خاں سیستانی (۷) شاہ پسند خاں (۸) نصیر خاں بلوچ۔ ان سب سرداروں کے ساتھ ۲۴ ہزار سوار تھے۔ اس لشکر کے علاوہ ایک اور لشکر تھا جو یتیموں کی جماعت کے نام سے مشہور تھا۔ یہ جماعت لڑنے کے لئے نہیں تھی بلکہ لوٹ مار کے لئے ہوتی تھی۔ ہر درّانی کے ساتھ چار چار یتیم ہوتے تھے۔ اور جس وقت لڑائی کے دوران میں یہ درّانیوں کی پشت پر رہتے تھے۔ اور برابر یورشیں کرتے رہتے تھے۔ قمر الزمانہ

حملے کرنے، دشمن کی رسد روکنے، اور لوٹ مار کرنے پر ہی مامور ہوا کرتے تھے لوٹ میں جو کچھ ان کے ہاتھ آتا تھا، وہ ان کے لئے معاف تھا۔ سرکار سے انہیں کوئی تنخواہ یا وظیفہ نہ ملتا تھا۔ جو سرداران ہند سلطانی لشکر میں شامل ہوئے تھے اُن کے باقاعدہ لشکروں کی تعداد بھی اس موقعہ پر ظاہر کردینی ضروری ہے۔

نواب شجاع الدولہ کے ساتھ دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے اور بیس چھوٹی بڑی توپیں تھیں۔ (مگر یہ فوج محض دیکھنے کے لئے تھی۔ لڑائی کے شروع سے آخر تک اس فوج کے ایک آدمی نے بھی ہتھیار نہیں چلائے نہ ان کی توپوں نے کوئی گولہ چھوڑا۔ کیونکہ شجاع الدولہ مرہٹوں سے ملے ہوئے تھے۔ حسن نظامی)

نواب نجیب الدولہ کے ساتھ چھ ہزار سوار اور آٹھ ہزار روہیلے پیادے تھے۔ سامانِ جنگ بھی بکثرت تھا۔ تیر و کمان بھی تھے۔ بان بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی میں ان میں سے چند ہزار قتل ہوئے۔

نواب دوندے خاں اور نواب حافظ رحمت خاں کے ساتھ اٹھارہ ہزار روہیلے پیادے۔ چار ہزار سوار اور چند توپیں تھیں۔

نواب احمد خاں بنگش کے ساتھ دو ہزار سوار اور کچھ پیادے تھے کچھ توپیں بھی تھیں۔ اس طرح جہاں احمد شاہ ابدالی کے باقاعدہ لشکر کی تعداد ۲۷ ہزار سواروں پر مشتمل تھی وہاں سرداران ہند کے سواروں اور پیادوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ گویا اسلامی لشکر میں چھیاسٹھ ہزار باقاعدہ فوج تھی۔ لہٰذا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ایک لاکھ سوار چتر ار اور دو لاکھ پیادے اور دو سو توپیں اور بے شمار سامانِ جنگ مرہٹوں کے پاس تھا اور مسلمانوں کے پاس صرف چھیاسٹھ ہزار فوج تھی۔ جس میں نواب شجاع الدولہ کی فوج نے محض صورت دکھائی تھی۔ لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔

مرہٹوں کی فوج اور اس کے سرداروں کے جو نام عمادالسعادت کی یکجائی فہرست میں ہیں اُن میں گوبند راؤ کا نام نہیں ہے۔ حالانکہ آگے جا کر ظاہر ہوگا کہ بھاؤ نے گوبند راؤ کو مسلمانوں کی رسد روکنے کے لئے ایک بڑی فوج کے ساتھ مامور کیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی رسد بالکل رُک گئی تھی۔ اور مسلمانوں کو فاقوں کی نوبت آگئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل آسان ہے کہ عمادالسعادت میں جن سرداروں [illegible] مرہٹہ فوج کی تعداد لکھوائی ہے [illegible] ورنہ کم لکھی گئی ہے۔ لڑائی کی تفصیلات [illegible] بہت سے نام [illegible] سرداروں کے [illegible] فہرست میں موجود نہیں ہیں۔

بہر حال یہ [illegible] ثابت ہے کہ مرہٹوں کی فوج مسلمانوں کی فوج سے پانچ گنی زیادہ تھی۔ اور [illegible] کا مقابل کیا جائے تب بھی دگنی زیادہ تھی۔

لڑائی شروع ہو گئی

احمد شاہ ابدالی [illegible] ایک منزل آگے بڑھنے پائے تھے کہ بھاؤ کا جرار لشکر یلغار کرتا ہوا سامنے آگیا۔ اور آتے ہی مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا۔ مسلمان اگرچہ ہوشیار تھے مگر ان کو یہ امید نہ تھی کہ مرہٹے اتنی جلدی سامنے آ جائیں گے اس واسطے اُن کی صف بندی میں ذرا دیر لگی اور مرہٹہ فوج نے چھاپہ مار قزاول سپاہیوں نے [illegible] بھوانی کے نعرے لگا کر دھوا دھار حملے شروع کر دیے۔

مسلمانوں نے [illegible] کچھ فوج سامنے رکھی اور کچھ فوج کو ترتیب کے ساتھ تقسیم کر [illegible] قراولوں کا ایک ایک [illegible] سپاہیوں کو بڑھانا شروع کیا۔ سو سو مسلمان ٹکڑیوں [illegible] کاٹتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور سو قدم پیچھے سو مسلمانوں کا ایک اور [illegible] بڑھتا ہوا آگے جاتا تھا۔ اس طرح قراولوں کی فوج کے ہزاروں [illegible]

تقسیم ہو کر آگے بڑھتے تھے۔ اور ایک ہزار مسلمانوں کی تکبیریں مسلسل میدان میں گونج رہی تھیں جس سے مرہٹہ فوج پر یہ اثر ہوتا تھا کہ لاکھوں مسلمان سیلاب کی طرح امڈے چلے آتے ہیں۔ سبھاؤ اور بسواس راؤ اور ملہار راؤ ہلکر اور دتا جی گائیکواڑ اور جنکوجی سندھیا وغیرہ سردار بہت قاعدے اور ترتیب کے ساتھ اپنے قراول دستوں کو آگے بڑھا رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی تکبیروں کے غل سے وہ گھبرائے جاتے تھے۔ اور بار بار اپنے مخبر و سوار ہرکاروں سے پوچھتے تھے کہ تم خبریں لائے تھے کہ مسلمانوں کے پاس قراول فوج کم ہے۔ پھر یہ لاکھوں مسلمان کہاں سے نکلے چلے آتے ہیں؟ اور مخبر جواب دیتے تھے شاید ان کے سوار بھی پیدل ہو گئے ہیں مگر ان سب کی گنتی [illegible] ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

بھاؤ نے سب سرداروں سے رائے لی تو کہا گیا ہم کو دو کوس پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ مسلمان جن کو جوش نے زندہ کر دیا ہے آگے بڑھتے چلے آئیں اور اپنی سوار فوج سے دور ہو جائیں اور بکھر جائیں۔ پھر ہم ایک دم حملہ کر کے ان پیدل قراولوں کو چٹنی کر ڈالیں گے۔

یہ تجویز طے ہو گئی اور مرہٹہ قراولوں کو حکم دیا گیا کہ [illegible] آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں اور مسلمان قراولوں کو آگے بڑھنے دیں۔ مرہٹہ سپاہیوں نے سرداروں کے حکم کے بموجب [illegible] ہٹنا شروع کیا [illegible] احمد شاہ ابدالی دور سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ مرہٹوں کی [illegible] چال کو سمجھ گئے [illegible] اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ سب سردار اپنے اپنے [illegible] اور اپنے پیادوں کو لے کر مسلمان قراولوں کی مدد کے لئے یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھیں [illegible] سب سرداروں نے تعمیل کی اور تکبیروں کے نعرے لگاتے ہوئے [illegible] دوڑ [illegible] پیچھے ہٹ گئے اور [illegible] اپنے قراولوں سے جا ملے۔ مرہٹے [illegible] پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ [illegible] دیکھا کہ مسلمانوں کا پورا لشکر قراولوں کے [illegible]

وہ وہیں رک گئے اور چونکہ شام ہوگئی تھی دونوں فوجوں نے لڑائی بند کر دی۔ اور رات بھر دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر ہوشیار رہیں۔

دوسرے دن مرہٹوں نے پھر یہی تجویز کی کہ ہماری فوج زیادہ ہے اور اس کو لڑنے کے لئے بڑے میدان کی ضرورت ہے۔ اس واسطے ہم کو پیچھے ہٹ کر جنگ کے لئے میدان کو ذرا بڑا کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ مرہٹہ فوج دو کوس اور پیچھے ہٹ گئی اور دن بھر قراولوں کی لڑائی کا بازار گرم رہا۔ اور احمد شاہ ابدالی نے دو کوس آگے بڑھ کر قراولوں کی فوج سے سوار فوج کو ملا دیا۔

تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ مرہٹے دو کوس پیچھے ہٹے اور مسلمان دو کوس آگے بڑھ کر قراولوں کے دستوں سے حملے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچویں دن مرہٹوں کی فوج پانی پت کے میدان تک ہٹ گئی۔ اور احمد شاہ ابدالی کی فوج نے یلغار کر کے پانی پت کے میدان پر قبضہ کر لیا۔ اور مرہٹوں کو چار کوس دور جا کر اپنی چھاؤنی ڈالنی پڑی۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت شہر کو اپنے لشکر کے اندر لے لیا۔ اور بڑے سپاہیانہ انداز سے مورچہ بندی کرنی شروع کر دی۔

خندق

احمد شاہ ابدالی نے حکم دیا۔ لشکر کے چاروں طرف بیس گز چوڑی خندق کھودی جائے۔ تاکہ مرہٹے اپنی عادت کے موافق شبخون نہ مار سکیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خندق احمد شاہ ابدالی اور اُن کی فوج اور ہندوستانی افغانوں کی فوج نے ایسی پھرتی سے تیار کی کہ اس سے پہلے کسی جنگی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہر سردار اور ہر سوار اور ہر پیدل [illegible] میں لگا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ خود احمد شاہ ابدالی بھی اپنے ہاتھ سے خندق کھودتے تھے۔ خندق بہت بڑی تھی

بیس گز چوڑی تھی اور گہری اتنی تھی کہ اگر ہاتھی اس کے اندر کھڑا ہوتا تو باہر سے دکھائی نہ دیتا۔ خندق کھودنے والے مسلمان تکبیروں کے نعرے لگاتے جاتے تھے اور درود پڑھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آج ہم اپنے رسولؐ کی سنت پر عمل کر رہے ہیں جنھوں نے اپنی گنتی سے دس گنے زیادہ دشمنوں سے بچنے کیلئے مدینے کے گرد خندق کھودی تھی اور خود رسولؐ خدا تین وقت کے فاقے کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے اپنے اصحابؓ کے ساتھ خندق کھودتے تھے۔ اور جب خندق کے اندر پہاڑ نکل آیا تو رسولؐ خدا نے ایک ہتھوڑا پہاڑ پر مارا جس سے ایک آگ نکلی اور اس آگ کی روشنی میں مسلمانوں نے دیکھا کہ روم اور شام اور ایران کے ملک مسلمانوں نے فتح کر لئے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ الغرض مسلمانوں کے جوش و خروش کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اس لئے انھوں نے بہت جلدی یہ خندق تیار کر لی۔

مرہٹوں کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے بھی اپنے لشکر کے آس پاس خندق کھودی۔ ان دونوں خندقوں کے بیچ میں چار کوس (یعنی ۸ میل) کا فصل تھا جو لڑائی کے لئے دونوں فوجوں نے ضروری سمجھا تھا۔ جب مورچہ بندی ہو گئی۔ جنگل کے درخت کاٹ کاٹ کر توپوں کے لئے دمدمے بن گئے اور دونوں فوجوں نے دمدموں پر توپیں لگا دیں۔ اور سب مورچے درست ہو گئے تو پھر قراولوں کی چھاپہ ماری شروع ہو گئی۔ مرہٹے "ہر ہر مہادیو" اور "بھوانی جی کی جے" کے نعرے [illegible] حملے کرتے تھے۔ اور مسلمان قراول تکبیریں پڑھتے ہوئے ان سے لڑنے کے لئے جاتے تھے۔ اور دن بھر لڑائی ہوتی رہتی تھی اور شام کو لڑائی بند کر دی جاتی تھی۔

فوجی چال

جب مورچہ بندی ہو [illegible] قراولوں کی [illegible] سمجھا [illegible]

جنگ شروع ہوگئی اور مرہٹوں نے پیچھے ہٹنا اور مسلمانوں نے آگے بڑھنا چھوڑ دیا تو بھاؤ نے اپنے ایک معتبر سردار گوبند پنڈت کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار سوار لیکر جائے اور گنگا جمنا کے بیچ میں جتنے شہر اور جتنے قصبے اور جتنے دیہات ہیں اور جہاں سے مسلمانوں کو رسد پہنچتی ہے اُن سب کو لوٹ لے اور ایسا انتظام کرے کہ مسلمان فوج کو کھانے پینے کی ایک چیز بھی پہنچنے نہ پائے۔

چنانچہ گوبند پنڈت دس ہزار چیدہ سوار لے کر راتوں رات میدان جنگ سے گنگا جمنا کے درمیانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اور اُس نے اٹاوے تک تمام شہروں اور قصبوں اور دیہات کو لوٹنا شروع کیا [illegible] بنجارے مسلمانوں کے لئے رسد لاتے تھے اُن کو غیرت دلائی [illegible] ہو کر دھرم کے دشمنوں کو رسد پہنچاتے ہو؟

الغرض بہت جلد مسلمان فوج کی رسد رُک گئی اور ہندو بنجاروں نے دھرم کے جوش [illegible] مسلمانوں کا [illegible] لوٹ کے ڈر سے رسد پہنچانی چھوڑ دی۔ اور مسلمان فوج میں ایک ہنگامہ پڑ گیا۔

یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو اُس نے اپنے وزیر اعظم اشرف الوزراء کے چچا زاد بھائی سردار عطائی خاں کو بلایا اور حکم دیا کہ [illegible] ہزار سوار لیکر جا اور گوبند پنڈت کا سر کاٹ لا۔

یہ حکم سنتے ہی عطائی خاں دو ہزار سوار اور [illegible] ساتھ لیکر یلغار کرتا ہوا دوڑا۔ اور راتوں رات چالیس کوس طے کئے اور صبح گوبند پنڈت کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ گوبند پنڈت کو سان گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان اس طرح ناگہاں آ جائینگے۔ اُس نے جلدی جلدی اپنے دس ہزار سواروں کو تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ مگر مرہٹوں پر ایسی ہیبت چھائی کہ وہ میدان میں نہ ٹھیر سکے اور چاروں طرف بھاگنے لگے۔ گوبند پنڈت نے اپنی فوج کا یہ رنگ دیکھا تو

اُس نے بھی اپنے تیز رفتار ترکی گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگنا چاہا مگر عطائی خاں کی مٹھی بھر فوج نے اُن کو گھیر لیا اور بھاگتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اسی بھاگ دوڑ میں گوبند پنڈت کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گوبند پنڈت نیچے گرا۔ ایک یتیم مسلمان چھرا لیکر دوڑا۔ اور یہ سمجھے بغیر کہ گرنے والا سوار کون ہے اُس کا سر کاٹ لیا۔ اور عطائی خاں کے پاس لے گیا۔ عطائی خاں نے قیدی مرہٹوں سے پوچھا یہ سر کس کا ہے؟ وہ رونے لگے اور کہا یہ ہمارے سردار گوبند پنڈت کا سر ہے۔ یہ سنتے ہی عطائی خاں سر کو اپنی خورجی میں ڈال کر اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور ایک رات کے اندر پھر میدان جنگ میں پہنچ گیا اور گوبند پنڈت کا سر اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کر ڈال دیا۔ مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور سارے لشکر میں اس کامیابی کی دھوم مچ گئی۔ اور پھر دوسرے دن سے ہندو اور مسلمان بیچارے جوق جوق رسد لیکر آنے لگے اور رسد کی تکلیف بالکل جاتی رہی۔

قسمت کا چکر

جب یہ مرہٹہ [illegible] بھاؤ [illegible] پنڈت کے مارے [illegible] اور دس ہزار جوانوں [illegible] ہونے کی خبر [illegible] ہوا [illegible] ایک سردار کو حکم دیا کہ [illegible] ہزار سوار [illegible] جائے اور [illegible] تیز رفتار لیکر آئے تاکہ مرہٹہ فوج [illegible] کی [illegible] مرہٹہ سردار وہ بھاگ گیا [illegible] خود [illegible] فوجوں سے [illegible] پلٹنا [illegible] ہوئے پانی پت میں واپس [illegible]

رات کے وقت یہ سوار پانی پت پہنچے اور مرہٹہ چھاؤنی کا راستہ بھول کر مسلمان چھاؤنی میں چلے آئے اور ایسی غفلت سوار ہوئی کہ جب تک سب کے سب مسلمان لشکر کے اندر نہ آگئے ایک سوار بھی نہ سمجھا کہ ہم دشمن کی فوج میں آگئے ہیں۔ کیونکہ مرہٹہ فوج میں بھی ابراہیم گاردی کی افغان فوج اور مسلمان فوج بہت زیادہ تھی۔ اُن سب نے یہی خیال کیا کہ ہم مرہٹہ فوج کے مسلمان سرداروں کے علاقے میں ہیں۔

مسلمان پہرے داروں نے یہ چالاکی کی کہ مرہٹوں کو اندر آنے سے نہ روکا اور اُس وقت تک خاموش رہے جب تک وہ دو ہزار سوار پوری طرح اندر نہ آگئے۔ اور اُس کے بعد اُنھوں نے حملہ شروع کیا اور دو ہزار مرہٹوں کو تھوڑی دیر میں کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دیا۔ اور ان کی سب اشرفیاں احمد شاہ ابدالی کے خزانے میں داخل کر دی گئیں۔

مرہٹہ مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان مرہٹہ سواروں کو مسلمان جاسوسوں نے دھوکہ دیا۔ جب وہ میدان جنگ کے قریب آئے تو اُن کو چند سوار ملے جنھوں نے کہا کہ ہم مرہٹہ فوج کے جاسوس ہیں اور مسلمانوں کی خبریں لینے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اور وہ اُن کو دھوکہ دے کر اپنی فوج میں لے گئے اور اُن کی خفیہ اطلاع کی وجہ سے مسلمان پہرہ داروں نے ان کو فوج کے اندر آنے سے نہ روکا۔

بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو مگر قسمت کا چکر ضرور تھا کہ گوبند پنڈت کے مارے جانے اور دس ہزار سواروں کے نقصان اٹھانے کے فوراً ہی بعد مرہٹوں کو اتنے بڑے خزانے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اور دو ہزار چیدہ سوار بھی ہاتھ سے گئے اور سب سے بڑی تکلیف یہ پیش آئی کہ اتنا بڑا خزانہ لٹ جانے کی وجہ سے بھاؤ کو رسد کی خریداری میں دشواریاں پیش آنے لگیں۔

احمد شاہ کا روزنامچہ

جس زمانے میں پانی پت کا میدان دو بڑی فوجوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ اُس وقت احمد شاہ ابدالی کی زندگی کا روزنامچہ یہ تھا کہ تہجد کے وقت بیدار ہوتے تھے اور صبح تک نماز اور تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ پھر صبح کی نماز پڑھ کر سواری کا گھوڑا منگاتے تھے۔ اُن کا ولی عہد تیمور شاہ چند خاص سواروں کے ساتھ حاضر ہوتا تھا اور بادشاہ اُن کے ساتھ اپنے لشکر کو دیکھنے جاتے تھے۔ ایک ایک مورچہ دیکھتے تھے۔ ہر سردار کی فوج کا اندازہ لگاتے تھے کہ وہ کس حال میں ہے۔ خندق کے چاروں طرف گشت کرتے تھے اور پھر گھوڑے دوڑاتے ہوئے دشمن کی چھاؤنی کے سامنے سے گذرتے تھے۔ تاکہ اُس کی حالت بھی ہر وقت معلوم رہے اور محض خبر رساں ہرکاروں اور جاسوسوں کے بیانات پر بھروسہ نہ کرنا پڑے۔ دشمنوں کو معلوم تھا کہ بادشاہ خود بہت تھوڑی جمعیت کے ساتھ روزانہ ادھر آتا ہے۔ مگر احمد شاہ ایسے ناگہاں آتے تھے اور گھوڑوں کو اس قدر سرپٹ دوڑاتے تھے کہ نہ کوئی گولی چلا سکتا تھا نہ تیر مار سکتا تھا نہ بان پھینک سکتا تھا۔

دن کے بارہ بجے تک پچاس کوس یعنی ساٹھ میل کا دورہ بادشاہ کا ہوتا تھا اور اس کی وجہ سے اُن کی فوج میں ایک زندگی پیدا ہوتی تھی اور دشمن کی فوج پر ہیبت اور خوف طاری ہوتا تھا۔

وزیر اعظم کی مصیبت

ایک روز احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم اشرف الوزراء بھی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ میدان جنگ کو دیکھنے گئے تھے۔ انھوں نے خیال کیا۔

جب ہمارا بادشاہ چالیس پچاس سواروں کے ساتھ روزانہ دشمن کے لاکھوں سپاہیوں
کے سامنے جاتا ہے اور صحیح سلامت آجاتا ہے تو میرے لئے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ مگر
اُن کو یہ خیال نہ تھا کہ بادشاہ اور وزیر کے اقبال میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ
جونہی وزیر اعظم تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچے یکایک پندرہ ہزار
مرہٹوں نے اُن پر حملہ کر دیا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وزیر اعظم اور اُن کے ساتھی
مستعدی سے لڑے لیکن سب اپنی جانوں سے مایوس ہو گئے۔ مگر تھوڑی دیر کے
بعد مسلمانوں کی کمک آگئی اور بمشکل مرہٹوں کو بھگا کر وزیر اعظم کو اس گھیرے سے نکالا۔

مسلمانوں کی غلیل بازی

پانی پت کی یہ لڑائی عجیب و غریب لڑائی تھی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب
بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ مسلمانوں نے اپنی غلیل بازی کے کمالات بھی دکھائے
غلیل کمان کی طرح بانس سے بنائی جاتی ہے اور تانت کا چلہ اس میں ہوتا ہے
دو ہتی کا غلہ غلیل میں رکھ کر پھینکا جاتا ہے۔

ایک دن نواب نجیب الدولہ اپنی فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے تو اُن کے
ساتھ غلیل بازوں کا دستہ بھی تھا۔ چونکہ مرہٹے نجیب الدولہ کے بڑے دشمن تھے
اس واسطے بھاؤ نے اپنے بھتیجے نوبت راؤ کو ایک بڑی مضبوط فوج کے ساتھ
مقابلے کے لئے بھیجا۔ اور اس لڑائی میں مرہٹوں کے توپ خانے نے بھی بہت سرگرمی
دکھائی۔ نجیب الدولہ کی فوج کم تھی اور نوبت راؤ کی فوج بھی زیادہ تھی اور لڑنے والے
بھی تجربہ کار تھے۔ بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ تھے نجیب الدولہ کے غلیل باز گیت گاتے
اور تکبیروں کے نعرے لگاتے ہوئے نوبت راؤ کی طرف دو دو سیر لوہے کے غلوں
کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ نوبت راؤ کے ماتھے پر قضا کا غلہ لگا۔ پیشانی پھٹ گئی۔

اور بھیا نکل پڑا۔ اور نوبت لماؤ گھوڑے سے نیچے گرا۔ اُس کے گرتے ہی فوج کے پاؤں اُکھڑے اور میدانِ جنگ مرہٹوں سے صاف ہو گیا۔

بیس ہزار مرہٹوں کا قتل

الغرض روزانہ اسی قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مگر مرہٹہ فوج کو رسد کی بڑی تکلیف تھی۔ کیونکہ گوبند پنڈت کے مارے جانے کے بعد سے اور دہلی کا خزانہ لٹنے کی وجہ سے رسد کا آنا بالکل بند ہو گیا تھا۔ اس لئے بھاؤ نے ایک خاص مشورے کے بعد بیس ہزار سپاہی رسد لانے کے لئے جمنا گنگا کے درمیانی علاقے میں بھیجے۔ اور رات کے وقت اُن کو روانہ کیا تاکہ مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائے۔ یہ بیس ہزار سپاہی رات کے اندھیرے میں فوج سے نکلے اور کئی کوس دوڑے ہوئے چلے گئے۔ آدھی رات کو ان سب نے خیال کیا کہ اب ہم ڈھاک کے گنجان جنگل میں ہیں اور یہاں ہر طرح کا امن ہے۔ دشمن کا اس محفوظ جنگل میں آنا ناممکن ہے۔ اس لئے کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے۔ صبح ہوتے روانہ ہو جائینگے۔ یہ خیال کر کے سب سپاہی گھوڑوں سے اُترے اور اپنا اپنا بستر بچھا کر لیٹ گئے۔ لیکن ان سپاہیوں کو خبر نہ تھی کہ دشمن اس ویران اور سنسان جنگل میں بھی موجود ہے۔

وجہ یہ تھی کہ جب سے گوبند پنڈت کا معاملہ پیش آیا تھا احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک معتبر سردار شاہ پسند خاں کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ مقرر کر دیا تھا کہ وہ مرہٹوں کو رسد نہ پہنچنے دے۔ اور شاہ پسند خاں اُن تمام راستوں میں گشت لگاتا رہتا تھا جہاں سے مرہٹوں کو رسد پہنچنے کی امید ہو سکتی تھی۔ اگرچہ شاہ پسند خاں کو خبر نہ تھی کہ دشمن کے ۲۰ ہزار سپاہی رسد کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ اور اس جنگل میں پڑے سوتے ہیں لیکن وہ بڑا ہوشیار سردار تھا۔ اور اپنے

فرض کو بڑی مستعدی اور ہوشمندی سے ادا کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ احمد شاہ نے اُس کو شاہ پسند خاں کا خطاب دیا تھا۔

آج کی رات وہ ڈھاک کے اس جنگل میں محض تفریحاً آ گیا تھا۔ کیونکہ اُس نے سُنا تھا کہ ڈھاک کے جنگل میں رات کے وقت ہر قسم کے قابلِ شکار جانور مل جاتے ہیں۔ اس لئے وہ ان جانوروں کا شکار کرنے کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ اور اس سے بالکل بے خبر تھا کہ یہاں بیس ہزار انسان اُس کا شکار ہونے کے لئے بے خبر پڑے سوتے ہیں۔ جونہی اُس نے اتنی بڑی تعداد دشمن سپاہیوں کی دیکھی وہ ڈرا کہ ممکن ہے اس فوج کے علاوہ اور فوج بھی کہیں آس پاس موجود ہو میرے ساتھ صرف پانچ ہزار سپاہی ہیں۔ اگر دشمن کی اور فوج بھی کہیں قریب ہوئی تو ہم سب اسی جنگل میں ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے دور اندیشی اس میں ہے کہ یہاں سے ہٹ جاؤں۔ اور پہلے آس پاس کی حالت دیکھ لوں۔ اُس کے ساتھیوں نے کہا یہ بات اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کہ ہم سوتے آدمیوں پر وار کریں۔ ان سب کو جگانا چاہیے تاکہ ہم پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ ہم نے سوتے دشمن کو مار ڈالا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان کو جگائیں مناسب یہ ہے کہ جنگل کو اچھی طرح سے دیکھ لیں کہ اور دشمن بھی یہاں ہے یا نہیں۔ چنانچہ شاہ پسند خاں اور اُس کی فوج نے پہلے جنگل کو دیکھا اور جب اُن کو اطمینان ہو گیا کہ اور کوئی فوج نہیں ہے تو وہ پھر واپس آئے اور انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس فوج میں کتنے آدمی ہیں۔ اور جب اُن کو اندازے سے معلوم ہوا کہ یہ سب پندرہ بیس ہزار آدمی ہیں تو انہوں نے سپاہیوں کے آس پاس گھیرا ڈال دیا۔ اور پھر بلند آواز سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ مرہٹے گھبرا کر جاگے اور انہوں نے فوراً ہتھیار سنبھالے۔ شاہ پسند خاں نے دیکھا کہ اب اُن میں کوئی بھی سوتا ہوا باقی نہیں رہا ہے اور سب نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں تب وہ چاروں طرف

تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ آور ہوئے اور اُس جنگل میں اِس زور کی تلوار چلی کہ کبھی ڈھاک کے درختوں نے رات کے اندھیرے میں ایسی شمشیر زنی نہ دیکھی ہو گی۔

اگرچہ بیس ہزار سپاہی پانچ ہزار مسلمانوں سے گنتی میں چوگنے تھے۔ لیکن اُن پر ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ۵۰ ہزار مسلمانوں نے ہم کو گھیر لیا ہے۔ اس لئے وہ عاجزی کرتے تھے اور امان امان پکارتے تھے۔ مگر کوئی اُن کی بات نہ سنتا تھا۔ تلواریں اندھیرے میں چمکتی تھیں، سر کٹ کٹ کر گرتے تھے اور ہر طرف خون کے فوارے بہ رہے، فوارے نظر آتے تھے۔ صبح تک تلوار چلی۔ جب اجالا ہوا تو بیس ہزار مرہٹوں میں ایک مرہٹہ بھی زندہ نہ بچا تھا۔ اور شاہ پسند خاں کے ساتھیوں میں گنتی کے دو چار آدمی مرے تھے یا زخمی ہوئے تھے شاہ پسند خاں نے فوراً چند تیز رفتار سواروں کو احمد شاہ ابدالی کے پاس دوڑایا اور خود مرہٹوں کے سروں کا مینار بنانے میں مصروف ہو گیا۔ سورج نکلتے نکلتے احمد شاہ ابدالی تھوڑی سی فوج کے ساتھ گھوڑے دوڑاتا ہوا آیا۔ اور اُس نے بیس ہزار مرہٹوں کے سروں کا ایک اونچا مینار وہاں دیکھا اور چاروں طرف جنگل میں تلاش کرایا کہ کوئی مرہٹہ فوج کہیں نگاہ میں موجود نہ ہو۔ اور اُس کے بعد شاہ پسند خاں کو ساتھ لیکر میدان جنگ میں واپس آ گیا۔ اور یہاں آکر شاہ پسند خاں کو ایک بڑا خلعت سب امیروں کے سامنے عطا فرمایا۔ اور اُس کے ساتھیوں کو بھی انعامات اور خلعت تقسیم کئے۔

جب یہ خبر مرہٹہ چھاؤنی میں پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ بھاؤ نے سب سرداروں کو جمع کیا اور اُن سے یہ افسوسناک خبر بیان کی اور کہا اب رسد حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ اب احمد شاہ ابدالی سے دب کر صلح کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ سورج مل نے بھی رسد نہیں بھیجی حالانکہ وہ وعدہ کر کے گیا تھا۔ راجپوتانے کے ہندو راجہ

سامنے بیٹھے ہم ہندوؤں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم تو ہندو قوم کو باہر سے آئے ہوئے ناپاک (ملیچھ) مسلمانوں کی حکومت سے نجات دینے آئے ہیں۔ اگر ہم تباہ ہوجائینگے تو ساری ہندو قوم تباہ ہوجائیگی۔ اور اگر ہم جیت جائینگے تو یہ جیت ساری ہندو قوم کی جیت ہوگی۔ شیواجی نے جس بڑے کام کی بنیاد رکھی تھی ہم نے اُس پر ایک شاندار عمارت بنادی ہے۔ ہم نے اورنگ زیب کی تخت گاہ دہلی پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور ہم نے ہندو قوم کو دکھادیا ہے کہ وہ اگر ایک دل ہوجائے تو باہر سے آئے ہوئے لٹیرے مسلمانوں کو یوں ختم کرسکتی ہے جس طرح ہم نے ختم کردیا ہے۔ مگر ہائے افسوس ہندوؤں کو اب بھی عقل نہیں آتی۔ سکھ بھی ہندو ہیں اور ہم سے بہت قریب ہیں۔ وہ اگر چاہتے ہوتے تو ہم کو پنجاب سے رسد مل سکتی تھی۔ راجپوتانہ بھی کچھ دور نہیں ہے۔ اس کے ہندو راجہ ہندو قوم کی لاج رکھنی چاہتے تو بہت آسانی سے رسد پہنچ سکتے تھے۔ مگر ان کی غیرت تو اکبر کے زمانے سے ختم ہوچکی ہے۔ انہوں نے اکبر کو۔ جہانگیر کو۔ شاہجہاں کو اور اورنگ زیب کو اپنی بیٹیاں دیکر ہندو قوم کی ناک کٹوادی ہے بے شک اودے پور کے رانا نے ہندو قوم کی بات رکھی اور ان کی کئی پشتیں مغلوں سے لڑتی رہیں۔ مگر آج وہ بھی ہماری بربادی کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔

جب بھاؤ نے یہ جوشیلی تقریر کی تو ملہار راؤ ہلکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ لڑائیوں میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ سپاہی کو ہر دکھ سکھ پیش آتا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد ہلکر نے کہا۔ آپ نے سورج مل کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور ہم نے سکھوں اور راجپوت راجاؤں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جس سے وہ یہ سمجھتے کہ ہم ہندو قوم کی عزت بڑھانے اور ہندوؤں کو بے عزتی سے بچانے کے لئے میدان میں آئے ہیں۔ بلکہ ہم نے رگھوناتھ راؤ کو پنجاب میں بھیج کر سکھوں کو لوٹا۔

اور برباد کیا اور ان کو مسلمانوں سے زیادہ ستایا - راجپوتانے کے راجاؤں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ ایسا نہیں ہوا جس سے وہ یہ سمجھتے کہ ہم ہندو دھرم کے پجاریوں کے دشمن ہیں - بلکہ ہم نے ایسے کام کیے کہ وہ سب ڈر گئے کہ ہم ہندوؤں کو مٹا کر مرہٹہ راج قائم کر رہے ہیں - اور راجپوت قوموں کو مسلمانوں سے زیادہ ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔

آپ نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ کے ذریعے احمد شاہ ابدالی کو صلح کی جو شرطیں لکھی تھیں وہ بھاؤ جی نیتی کی عقل کے خلاف تھیں - آپ نے احمد شاہ کو پہلے لکھا کہ آپ پنجاب چھوڑ کر کابل قندھار چلے جائیے - اس پر ہماری آپکی صلح ہوگی - پھر لکھا کہ سندھ (اٹک) دریا کے اس پار آپ کی حکومت رہے - اور اس پار ہماری حکومت ہو - مگر جب احمد شاہ نے ان دونوں باتوں کو نہ مانا تو یہ تجویز پیش کی کہ احمد شاہ لاہور تک حکومت کریں اس کے بعد کے علاقوں پر ہماری حکومت ہو - احمد شاہ نے اس کو بھی نہ مانا تو آپ نے فوراً یہ شرط پیش کر دی کہ احمد شاہ کی حکومت سرہند تک رہے -

اتنی جلدی جلدی شرطوں کے بدلنے سے احمد شاہ جیسا تجربہ کار بادشاہ سمجھ گیا کہ آپ کو حکومت کا اور لڑائی کا اور صلح کا تجربہ نہیں ہے - اور اسکی ہمت بڑھتی گئی - شجاع الدولہ ہمارا دوست ہے - اور حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں اور احمد خاں بنگش بھی کچھ زیادہ خطرناک نہیں ہیں - مگر نجیب الدولہ ایک ایسا پرانا سانپ ہے کہ اس کے کاٹے کا اتارا نہیں ہے - اسی نے احمد شاہ کو بلایا ہے اور اسی نے ہندوستان کے سب افغانوں کو جمع کیا ہے - اور وہی شجاع الدولہ کو اودھ سے احمد شاہ کے لشکر میں لایا ہے -

پس اگر آپ نے دب کر صلح کی درخواست کی تو اس کا بھی وہی نتیجہ نکلے گا جو پہلی شرائط صلح کا ہو چکا ہے - مجھے اجازت دیجیے میں ابھی سورج مل کے پاس

جاتا ہوں اور اس سے رسد لیکر آجاتا ہوں۔ دشمن کے سامنے عاجزی کرنے سے بہتر ہے کہ ہم ہندوؤں سے عاجزی کریں اور سورج مل کو جو رنج آپ کے برتاؤ سے ہوا ہے اُس کو صاف کر دیں۔ اس میں آپ کی ہتک نہیں ہوگی۔ اگر سورج مل نہ مانا تو میری بات جائیگی۔ اور اگر مان گیا تو میں بہت جلد رسد اور خزانہ لیکر آجاؤنگا

بھاؤ نے جواب دیا:۔ نہیں میں سورج مل کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤنگا وہ مجھکو دل ہی سے احمق اور بچہ سمجھتا ہے۔ اس کو اپنی عقل کا اور اپنی طاقت کا اور اپنے روپیہ کا بڑا گھمنڈ ہے۔ اور وہ چونکہ آگرے پر قابض ہو گیا ہے اسلئے اُس کو دہلی پر بھی قبضہ کرنے کی حرص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب میں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کو برداشت نہ کر سکا اور بہانہ کر کے بھرت پور چلا گیا۔ اگر میں اس لڑائی میں کامیاب ہو گیا تو سب سے پہلے سورج مل کے گھمنڈ کا خاتمہ کر دوں گا۔ اور بھرت پور کو ایسا کر دونگا کہ کوئی پہچان نہ سکے گا کہ بھرت پور کہاں تھا۔ تم اگر کوشش کرنی چاہتے ہو تو راجپوتانے میں جاؤ۔ اور کسی کو سکھوں کے پاس بھی بھیجو کیونکہ خطرہ سر پر کے قریب آگیا ہے۔ اب دیر کا وقت نہیں ہے۔

ہلکر نے جواب دیا:۔ راجپوتانے میں میرے کسی سے ایسے تعلقات نہیں ہیں اور سکھوں کو بھی اتنی جلدی سمجھانا آسان کام نہیں ہے۔ اب تو شجاع الدولہ کے ذریعے کام کرنا چاہیئے۔

بھاؤ کی ایک اور چال

جب بھاؤ نے ملہار راؤ ہلکر کی باتیں سنیں تو اس نے جلسہ برخاست کر دیا اور اپنے ایک محرم راز پنڈت گنیش دت کو نواب شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور اپنی پگڑی شجاع الدولہ کے پاس بھیجی کہ تم میرے بھائی ہو۔ بھائی چارے کی

مجھے بھی بھیجتا ہوں جس طرح ممکن ہو احمد شاہ کو صلح پر راضی کرو۔ کیونکہ ہماری فوج میں رسد بند ہو جانے سے بڑی تکلیف پھیل گئی ہے۔ شرفا کے مول بھی غلہ میسر نہیں آتا۔

نواب شجاع الدولہ نے کاشی دت کی معرفت اپنی دستار بھاؤ کو بھیجی اور پگڑی بدل بھائی بنایا اور کہلا بھیجا میں ابھی جاتا ہوں اور پوری کوشش کروں گا کہ صلح ہو جائے۔ چنانچہ شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کے پاس گئے اور اپنی طرف سے تجویز پیش کی کہ مرہٹوں سے صلح کر لینی چاہئے۔

احمد شاہ نے جواب دیا مجھے صلح کرنے سے عذر نہیں ہے۔ مگر یہ معاملہ خود آپ لوگوں کے سوچنے کا ہے۔ میں تو آپ سب مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اس کے بعد احمد شاہ نے نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش وغیرہ کو بھی بلایا۔ اور سوائے نجیب الدولہ کے سب لوگوں نے صلح کو پسند کیا۔ نجیب الدولہ خاموش بیٹھے رہے۔ جب احمد شاہ نے ان کی رائے پوچھی تو انہوں نے کہا حضور ہماری مدد کے لئے تشریف لائے اور حضور ہم سب کو [illegible] جانتے ہیں کہ مرہٹہ قوم ہم سب افغانوں کے خون کی اور ہندوستان کے سب مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے [illegible] سے چلتے ہی فوج روانہ کر [illegible] وقت جو تقریر کی تھی وہ آپ [illegible] آپ کی [illegible] کا منصوبہ تو ہم [illegible] سے بھی بڑا ہے [illegible] کہ ہندوستان کے [illegible] مسلمانوں کا ایک بچہ بھی باقی نہ [illegible] کا خاتمہ [illegible] سب افغانستان میں رہ جائیں اور [illegible] ہندو حکومت قائم کریں تاکہ پھر کسی افغان کو اور کسی مسلمان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت [illegible] نہ ہو سکے گی۔

[illegible] آخر [illegible] اسلامی سلطنت [illegible]

دیوان خاص کی چھت کا سونا اتارا۔ اور اس سے پیشوا کے نام کے سکے ڈھلوائے اور ہندوستان کے سب ہندو راجاؤں کو بھیجے مگر یا وہ اپنے خیال میں دہلی کے بادشاہ بن چکے ہیں۔ اور انہوں نے کنج پورے کے بیس ہزار افغانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا ہے پس اگر آج ہم اُن سے صلح کر لیتے ہیں تو کل بادشاہ سلامت افغانستان چلے جائیں گے۔ اور مرہٹے تازہ دم فوجیں لا کر ہم سب کو چن چن کر مار ڈالیں گے۔ ان حالات کو سوچ سمجھ کے مجھے صلح کی تجویز سے اختلاف نہیں ہے۔ اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ اسلام کا حکم یہی ہے کہ جب دشمن صلح کے لئے جھکے تو مسلمانوں کو بھی فوراً صلح کے لئے جھک جانا چاہیے۔

احمد شاہ نے نجیب الدولہ کی تقریر سن کر کہا میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صلح کا معاملہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر آپ سب صلح چاہتے ہیں تو میں بھی صلح کر لوں گا۔ اور واپس چلا جاؤں گا لیکن رائے وہی ٹھیک ہے جو نجیب الدولہ نے پیش کی ہے آخر کوئی بات طے نہ ہوئی اور سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

رات کو نواب شجاع الدولہ نے اپنے وکیل کاشی راؤ کو نجیب الدولہ کے پاس بھیجا اور نجیب الدولہ شجاع الدولہ کے پاس گئے تو شجاع الدولہ نے پھر صلح کی تجویز کو دہرایا اور کہا کہ سب دم خم ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔ اگر اس وقت ہم اُن سے صلح کر لیں گے تو مسلمانوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ پونا کا دربار اس سے خوش ہو گا۔ اور آئندہ مرہٹوں کی یلغاروں سے ہم سب مسلمان محفوظ ہو جائیں گے۔

نجیب الدولہ نے پھر ایک نہایت سلجھی ہوئی تقریر کی اور شجاع الدولہ کو اونچ نیچ سمجھائی۔ مگر شجاع الدولہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ آخر نجیب الدولہ رات کے بارہ بجے اپنے خیمے میں واپس آ گئے۔ اور دوسرے دن سے پھر لڑائی شروع ہو گئی۔

لڑائی کی بڑی رات

بھاؤ کا ایک نو عمر خدمت گار بالک رام نام کا تھا جو بھاؤ کو پان بنا کر کھلایا کرتا تھا۔ بھاؤ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط شجاع الدولہ کو لکھا کہ اب کٹورہ چھلکنے والا ہے۔ جس طرح ممکن ہو صلح کی کوشش کرو۔ یہ نو عمر لڑکا بھاؤ کا خط لیکر شجاع الدولہ کے پاس آیا اور شجاع الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کے پاس جانے کی تیاری شروع کی۔ در اصل بھاؤ ایک جنگی چال چل رہا تھا۔ اور صلح کے پیغام بھیجکر مسلمانوں کو لڑائی کی مستعدی سے غافل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک طرف تو اس نے اپنے ذاتی مقرب خدمت گار کو اپنے ہاتھ کا خط دیکر شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور دوسری طرف تمام سرداروں کے نام حکم جاری کر دیا کہ آج پچھلی رات کو مسلمانوں پر ایک عام دھاوا کیا جائیگا۔ چال یہ تھی کہ مسلمان صلح کے خیال میں رہیں اور اُن پر غفلت میں حملہ کر دیا جائے۔ نواب شجاع الدولہ کے مورخ یعنی مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ نواب صاحب بھاؤ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پڑھ کر چاہتے تھے کہ احمد شاہ کے پاس جائیں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ یکایک شجاع الدولہ کا ایک خاص خبر رساں ہرکارہ بھاگتا ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ بھاؤ کی فوجوں نے حملہ شروع کر دیا ہے۔ نواب صاحب فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر احمد شاہ کے پاس گئے۔ احمد شاہ خوابگاہ میں جا چکے تھے اور سب افغان اُمراء بھی بے خبر پڑے سوتے تھے۔ شجاع الدولہ نے احمد شاہ کے ذاتی ملازموں سے کہا بادشاہ کو جگاؤ۔ ایک ضروری خبر لایا ہوں۔ احمد شاہ کو جگایا گیا۔ اُنہوں نے خوابگاہ کا پردہ ہٹا کر سر باہر نکالا اور کہا نواب صاحب کیا خبر ہے؟ شجاع الدولہ نے کہا حضور جلدی باہر تشریف لائیں۔ خبر بہت بڑی ہے۔ احمد شاہ فوراً کپڑے پہن کر باہر آگئے اور گھوڑا منگایا۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کے حملے کی خبر سنائی

احمد شاہ نے پوچھا یہ خبر کہاں سے ملی؟ انہوں نے اپنے ہرکارے کا نام لیا۔ احمد شاہ نے فوراً حکم دیا کہ ساری فوج میں تیار ہو جانے کا حکم پہنچا دیا جائے۔ اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے ساتھ باہر آئے۔ یکایک احمد شاہ کی فوج کے چند سپاہی سامنے آگئے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے مرہٹوں کی چھاؤنی لوٹ لی ہے۔ احمد شاہ نے شجاع الدولہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ نواب صاحب آپ نے سنا یہ کیا کہتے ہیں؟ اگر مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے تو انہوں نے کس [illegible] لوٹ لی؟ شجاع الدولہ نے جواب دیا۔ چونکہ مرہٹے اپنی چھاؤنی کو [illegible] آگئے ہیں اس لئے کسی خالی خیمے کو ان سپاہیوں نے لوٹ لیا ہوگا [illegible] یکایک احمد شاہ نے دیکھا کہ دور سے مرہٹوں کی فوجیں [illegible] آتی ہیں۔ اور دشمن کا توپ خانہ بھی حرکت میں ہے۔ اس وقت [illegible] اور میدان میں اتنا اجالا ہو گیا تھا کہ مرہٹوں کی فوجیں دور [illegible] دینے لگی تھیں۔ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹہ فوجوں کو جب اپنی آنکھ سے [illegible] شجاع الدولہ کی اطلاع کا یقین آگیا۔ اور احمد شاہ نے اس وقت [illegible] الدولہ بھی حیران رہ گئے کیونکہ دو دن سے صلح کے پیغام سلام [illegible] مسلمانوں کو لڑائی سے غافل کر دیا تھا۔ خود شجاع الدولہ [illegible] بھاؤ کے ذاتی خدمت گار کے ہاتھ بھیجا تھا یہ خیال کر کے [illegible] جائے گی۔ کیونکہ بھاؤ کو شجاع الدولہ نے صبح کنبش پنڈت [illegible] بھی کہ احمد شاہ صلح کے لئے راضی ہیں۔ حافظ رحمت خاں [illegible] اور نواب احمد خاں بنگش بھی راضی ہیں صرف نجیب الدولہ [illegible] ان کو کل تک میں راضی کر لونگا۔ [illegible] شجاع الدولہ کو [illegible] بھاؤ کا [illegible] خط بھیجا تو شجاع الدولہ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ خط دکھا کر [illegible] راضی کر لونگا۔

مگر شجاع الدولہ اگرچہ نوعمر اور ناتجربہ کار تھا پھر بھی ہندوستان کا وزیر اعظم کہلاتا تھا۔ جونہی ہرکارہ خبر لایا کہ مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے وہ سمجھ گیا کہ بھاؤ نے مجھے بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے وہ دوڑا ہوا احمد شاہ کے پاس گیا اور اس کو خبر دی کہ مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے۔ چونکہ احمد شاہ کو بھی یقین تھا کہ صلح ہو جائیگی اس لئے اس کو بھی یقین نہ آتا تھا کہ مرہٹوں نے سچ مچ حملہ کیا ہے یا ہرکارے نے غلط خبر دی ہے۔

دُنیا کی کوئی فوج اتنی جلدی تیار نہ ہوئی ہوگی

جتنی جلدی پانی پت کے میدان میں آج کی پچھلی رات بے خبر سوتے ہوئے مسلمان تیار ہوئے تھے۔ مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ میں نواب شجاع الدولہ کے ساتھ تھا۔ جبکہ وہ احمد شاہ کو حملے کی خبر دینے آئے تھے۔ اور میں نے حافظ رحمت خاں۔ اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش اور خود احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کو بالکل غافل سوتا پایا تھا۔ صرف نجیب الدولہ کے لشکر میں کچھ چہل پہل اور ہوشیاری اور بیداری نظر آتی تھی۔

مگر جونہی احمد شاہ نے مرہٹہ فوج کو خود اپنی آنکھ سے آتا دیکھ لیا تو اس نے بغیر کسی گھبراہٹ کے نواب شجاع الدولہ سے کہا۔ "اچھا اب ہم جانتا آپ بھی تیار ہو جائیں۔ بھاؤ نے آپ کو بھی دھوکہ دیا اور ہم کو بھی دھوکہ دیا۔ مگر آج ہندوؤں کو بتا دینا کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا بہت مشکل ہے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھ والوں کو کہا کہ سب کو تیار ہو جانے کا حکم دو"۔

مورخ عماد السعادت لکھتا ہے نواب شجاع الدولہ وہیں کھڑے رہے اپنے خیمے میں نہ گئے کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ احمد شاہ کی فوج اور وہ صرف امیر لوگ جو

جلدی مغلوب ہو جائینگی۔ اس لیئے کہ دشمن سامنے آچکا ہے۔ اور مسلمان ابھی کچھ جاگے ہیں۔ اور باقی سب پڑے سوتے ہیں۔ نواب شجاع الدولہ نے احمد شاہ کو رخصت کرکے مرہٹوں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اور شاید ہم سب ایک گھڑی مرہٹوں کی طرف متوجہ رہے ہونگے کہ پھر جو گردن موڑ کر مسلمانوں کی طرف نظر دوڑائی تو ہر مسلمان گھوڑے پر سوار تھا اور ہر پیدل ہتھیار لیئے ہوئے صف میں آگیا تھا۔ اور لشکر میں دریا کی سی لہریں آرہی تھیں۔ جہاں ابھی کچھ بھی نہ تھا وہاں یکایک جھپکاتے ہزاروں مسلمان صف بستہ دکھائی دینے لگے۔

نواب شجاع الدولہ نے گھوڑا بڑھایا اور اپنے خیموں کی طرف چلنا شروع کیا اور مجھ سے فرمایا: جب میں آیا تھا تو میرے دل میں یہ بات تھی کہ مرہٹوں نے مجھے بھی دھوکہ دیا۔ اور اب مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے میرا منہ کالا ہوجائیگا کیونکہ مرہٹے مسلمانوں کو غفلت میں حملہ کرکے فنا کردینگے اور تاریخوں میں لکھا جائیگا کہ شجاع الدولہ نے دھوکہ کھایا۔ یا ہندوؤں سے مل کر مسلمانوں کو نیست و نابود کرادیا۔ مگر اب میرے دل میں یہ ہے کہ مسلمان اس میدان میں ضرور فتح یاب ہونگے اور فتحیاب نہ ہوں تو غفلت میں مارے نہ جائینگے۔ اب تک میرا ارادہ لڑنے کا نہیں تھا مگر اب مجھ پر بھاؤ کی چال بازی سے یہ اثر ہوا ہے کہ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دوں۔ اور تلوار میان سے نکال کر مرہٹوں کا مقابلہ کروں۔

مورخ عماد السعادت نے جواب دیا۔ حضور سچ فرماتے ہیں مگر ابھی حضور کو صرف تیار ہوجانے کی تو ضرورت ہے مگر لڑائی میں شریک ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ آج کی لڑائی فیصلہ کن لڑائی ہے۔ شام تک لڑائی کا رخ معلوم ہوجائے گا اس وقت فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔ شجاع الدولہ نے میری اس بات کا جواب نہ دیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے خیمے میں آگئے۔

ابراہیم خان گاردی

مرہٹوں کے آتش خانے یعنی توپ خانے کا افسر ایک افغان تھا۔ ابراہیم خان گاردی نام تھا۔ اور ہزاروں افغان اس کے ماتحت تھے۔ جب پانی پت کے میدان میں معرکہ بندی ہوگئی تو احمد شاہ ابدالی نے ابراہیم خان گاردی کو پیغام بھیجا تھا کہ یہ لڑائی ملکی نہیں ہے بلکہ دینی ہے۔ اور ہندو مسلمانوں کو اور اسلام کے نام کو ہندوستان سے فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم چونکہ افغان ہو اور مسلمان ہو اور تمہارے ساتھ ہزاروں افغان مسلمان بھی ہیں۔ اپنا ایمان خراب نہ کرو۔ اور مرہٹوں سے الگ ہو کر ہمارے پاس آجاؤ۔ اور یا مرہٹوں سے کہدو کہ چونکہ انہوں نے صاف صاف اور کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے کہ یہ لڑائی مسلمانوں کو اور اسلام کو ہندوستان سے فنا کر دینے کی غرض سے ہے۔ اس لئے ہم اس لڑائی میں کسی کا ساتھ نہیں دینگے۔ الگ رہینگے۔ اور جب ملکی لڑائی کہیں ہوگی تو اس میں شریک ہو کر حق نمک ادا کر دینگے۔

ابراہیم خان گاردی نے جواب دیا تھا "حضور کو معلوم ہے کہ میں افغان بھی ہوں اور مسلمان بھی ہوں۔ اور افغان مسلمان کبھی اپنے آقا کو دھوکہ نہیں دیا کرتے۔ میں کیونکر بھاؤ کا ساتھ چھوڑ سکتا ہوں۔ میں نے ساری عمر بھاؤ کا نمک کھایا ہے میں حضور کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ لڑائی دین کی ہو یا دنیا کی۔ میں تو نوکر ہوں اور جس کا نوکر ہوں اس کے ساتھ ہی رہونگا۔ وہ مریگا تو میں بھی مرجاؤنگا۔ اور وہ زندہ رہیگا تو میں بھی زندہ رہوں گا۔"

احمد شاہ ابدالی نے یہ جواب سن کر کہا تھا۔ ہم اس جواب سے خوش ہوئے کہ مسلمان افغان نوکری اور نمک خواری کا حق جانتے ہیں۔ ہم کو ابراہیم خان سے

کچھ شکایت نہیں ہے لیکن وہ یاد رکھے کہ خدا کا حق بھی اس کے ذمے ہے جس نے نمک دینے والے بھاؤ کو بھی پیدا کیا ہے اور نمک کا خالق بھی وہی ہے۔ ابراہیم نے نمک کا خیال تو کیا مگر اس کو بھول گیا کہ خدا کا اور اس کے دین کا اور اسکی قوم کا حق بھی اس کے ذمے ہے۔

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ شجاع الدولہ کے ہندو وکیل کاشی راؤ نے گنیش رت سے کہا تھا کہ جب مرہٹہ فوجوں نے حملہ شروع کیا تو ابراہیم خان گاردی بھاؤ کے سامنے گیا اور کہا:۔

اگرچہ آپ نے اور بالاجی پیشوا نے بے وجہ اس لڑائی کو دین کی لڑائی بنا دیا ہے ورنہ حقیقت میں یہ ملکی لڑائی ہے۔ پھر بھی میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ لڑائی دین کی ہو یا دنیا کی ہو میں اور میرے ساتھی مسلمان آپ پر قربان ہو جائیں گے۔ اور کوئی کمی اپنے ہم قوم افغانوں اور اپنے ہم مذہب مسلمانوں سے لڑنے میں نہیں کریں گے۔

میں ہمیشہ اپنی فوج کے خرچ کے لئے آپ سے اور آپ کی حکومت سے لڑا جھگڑا کرتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ آپ کا دل میری گزشتہ گستاخیوں سے اور پونہ والی درباری تقریر سے ناراض ہو۔ مگر آج آپ دیکھ لیجئے کہ مسلمان اور افغان کیسے وفادار اور کیسے جان نثار ہوتے ہیں۔

گنیش پنڈت کا بیان ہے کہ بھاؤ نے ہنس کر جواب دیا۔ مجھ کو تمہاری وفاداری کا یقین ہو یا نہ ہو مگر اس بات کا یقین ہے کہ تم اپنا فن سب سے اچھا جانتے ہو اور آج تم دشمن کو اپنے فن سے ضرور مغلوب کر لوگے۔

گنیش پنڈت کا بیان ہے کہ جب یہ باتیں ہوئیں میں بھاؤ کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے بھاؤ کا جواب سن کر ابراہیم کا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا

کہ وہ اس جواب سے خوش نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اُس کو صدمہ ہوا ہے۔ اور میں ڈرا کہ وہ آج ضرور دھوکہ دیگا اور دشمن سے مل جائیگا۔ یا لڑائی میں کوتاہی کرے گا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ابراہیم نے جو کچھ کہا تھا ویسا ہی کیا اور بھاؤ کے نامناسب جواب سے بُرا نہیں مانا۔ چنانچہ ابراہیم خاں کے حملے سے حافظ رحمت خاں اور نواب دُوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی افغان فوجوں میں افراتفری پیدا ہو گئی تھی اور ابراہیم نے ہزاروں افغانوں کو اپنی آتش باری سے بھون ڈالا تھا اور ان سب کو بھگا دیا تھا۔ اور شروع میں جو شکست ہندوستانی افغانوں اور احمد شاہ کے افغانوں کو ہوئی تھی وہ محض ابراہیم خاں گاردی کے توپ خانے اور آتش بازی ہی سے ہوئی تھی۔ اگر قسمت ساتھ دیتی تو ابراہیم نے میدان جیت ہی لیا تھا۔ اور مسلمانوں کی ہار ہو چکی تھی۔ کیونکہ سوائے نجیب الدولہ کی فوجوں کے احمد شاہ ابدالی کی فوج اور رحمت خاں اور دُوندے خاں اور بنگش کی فوجیں ابراہیم کی گولہ باری سے پاش پاش ہو گئی تھیں اور ایک عام بھاگڑ مچ گئی تھی۔

مسلمان ہار کر جیت گئے

مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے مرہٹوں نے حملہ شروع کیا تھا اور دوپہر تک ابراہیم خاں گاردی کی آتش باری نے اور مرہٹوں کی جانبازی نے مسلمانوں کو ہر مورچے سے پیچھے ہٹنے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا احمد شاہ ابدالی کا لال خیمہ میدان جنگ سے ایک کوس دور ایک اونچے ٹیلے پر لگا ہوا تھا اور احمد شاہ وہاں بیٹھے ہوئے فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ اُن کے جنگی ہرکارے میدان کی خبریں لاتے تھے اور شاہی حکم مختلف سرداروں کے نام لیکر گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی ترتیب اس طرح تھی کہ

دائیں بائیں بازوؤں پر حافظ رحمت خاں اور نواب دُونڈے خاں اور نواب احمد خاں بنگش اور نواب نجیب الدولہ اور نواب شجاع الدولہ کی فوجیں صف بستہ تھیں۔ اور قلب میں یعنی درمیانی حصے میں احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم اشرف الوزراء اور نامی سرداروں کی صف بندی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے شاہ پسند خاں کو نواب نجیب الدولہ کی پشت پر رکھا تھا تاکہ مرہٹے اُن کی پشت پر سے حملہ نہ کرنے پائیں۔ کیونکہ مرہٹے سب سے زیادہ نجیب الدولہ کے دشمن تھے اور احمد شاہ نے اپنے خیمے کی حفاظت کے لئے بھی ایک بڑی فوج مقرر کر رکھی تھی۔

دوسری طرف مرہٹوں نے بھی اپنے دائیں بائیں بازوؤں پر نامی سرداروں کو رکھا تھا اور قلب میں خود بھاؤ اور بسواس راؤ تھے۔

جب ابراہیم خاں گاردی کی آتش باری اور اس کے افغان ساتھیوں کی شمشیر زنی کے سامنے حافظ رحمت خاں اور نواب دُونڈے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی فوجیں بھاگ نکلیں تو بھاؤ اور بسواس راؤ نے ایک بڑا زوردار حملہ احمد شاہ کے وزیر اعظم کی فوج پر کیا جو قلب میں تھی اور وہ حملہ اتنا سخت تھا کہ اشرف الوزراء کی پشت پر جتنی افغان فوجیں تھیں وہ بھی سب بھاگ نکلیں۔

عماد السعادت کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب چاروں طرف کی مسلمان فوجیں بھاگنے لگیں تو ہندوؤں نے ایک اور نئے جوش کے ساتھ نہایت سخت حملہ کیا۔ اس وقت تک نواب شجاع الدولہ کی فوج خاموش کھڑی تھی اور نواب نجیب الدولہ کی فوج نے بھی حملہ شروع نہیں کیا تھا۔ حریف کا جو دستہ نواب شجاع الدولہ کی فوج کی طرف آتا تھا اکثر آگے بڑھ جاتا تھا۔ گویا بھاؤ نے حکم دیدیا تھا کہ شجاع الدولہ پر حملہ نہ کیا جائے۔ البتہ مرہٹوں کا ہر دستہ نجیب الدولہ پر دیوانہ وار حملے کرتا تھا۔ مگر نجیب الدولہ نے اپنا مورچہ بہت مضبوط بنایا تھا۔ اُن کی فوج کے

آگے بیلداروں کی صف تھی اور نجیب الدولہ کے سپاہی اپنے مورچے کے اندر سے بان اور تیر چلا رہے تھے۔ مورچے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

جب نواب شجاع الدولہ نے دیکھا کہ مرہٹوں کا زور درمیانی حصے یعنی قلب پر بہت زیادہ ہے اور افغان لگاتار بھاگ رہے ہیں تو انہوں نے مجھے (مصنف کا) والد سادات کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور وزیر اعظم کا حال پوچھو۔ میں گھوڑا دوڑا کر اشرف الوزراء کے پاس گیا۔ وہ زمین پر کھڑے تھے اور بہت پریشان تھے۔ جب میں نے اُن کو نواب صاحب کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے جواب دیا افغان بھاگ رہے ہیں اور انہوں نے مجھ کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ شجاع الدولہ سے کہو جلدی آئیں اور میری مدد کریں۔ میں فوراً شجاع الدولہ کے پاس آیا اور سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ آپ کی مدد چاہتے ہیں۔ شجاع الدولہ نے جواب دیا میں کیونکر اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہوں حالات بہت نازک ہیں۔

یکایک میں نے دیکھا کہ احمد شاہ کے ہرکارے بھاگنے والوں کو مار مار کر واپس لا رہے ہیں۔ اور شاہ پسند خاں بھی اپنی فوج لیکر نجیب الدولہ کی فوج سے ہٹ آئے ہیں اور قلب کی امداد کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ اور احمد شاہ ابدالی بھی خود گھوڑے پر سوار ہو کر آگئے ہیں۔ اور اُن کی محافظ فوج بھی آگئی ہے۔ اور قلب کی حالت بہت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ اور مرہٹے جو سیلاب کی طرح بڑھے چلے آتے تھے اپنی جگہ پر رک گئے ہیں۔

نجیب الدولہ کا حملہ

میں نے دیکھا وزیر اعظم کو کمک پہنچی۔ احمد شاہ خود وہاں آگئے اور شاہ پسند خاں اور برخوردار خاں وغیرہ سرداروں نے تکبیروں کے نعرے لگا کر بچاؤ اور [illegible]

پر حملہ کیا تو نجیب الدولہ نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی۔ مگر اُن کی حرکت بہت ہی دلچسپ تھی۔ بیلداروں کی صف آگے بڑھتی تھی اور اُن کے دائیں بائیں جو صفیں تھیں وہ دشمن پر بان پھینکتی تھیں اور گولیاں چلاتی تھیں اور تیر چلاتی تھیں اور جب اس مار سے مرہٹے پیچھے ہٹتے تھے تو بیلداروں کی صف آگے بڑھ جاتی تھی۔ اس طرح آہستہ آہستہ نجیب الدولہ بڑھتے بڑھتے دو کوس آگے بڑھ گئے۔ اور بھاؤ اور بسواس راؤ کی فوجوں کی پشت پر آ گئے۔ اس طرح بھاؤ اور بسواس راؤ چاروں طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ اُن کے سامنے احمد شاہ کی فوجیں تھیں اور حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی بھاگی ہوئی فوجیں بھی واپس آ گئی تھیں اور گھیرے میں شریک ہو گئی تھیں۔ اور پشت پر نجیب الدولہ نے مرہٹوں کے بھاگنے کا راستہ روک دیا تھا۔ صرف نواب شجاع الدولہ کی فوج انصاف کرنے کے لئے چپ چاپ کھڑی تھی۔ ایسا گھمسان کا رن پڑ رہا تھا جس کو الفاظ میں ادا کرنا ممکن ہے۔ باجوں کی آوازیں بشیماد قہقہوں کی صدائیں بلند کر رہی تھیں توپیں گرج رہی تھیں۔ بندوقوں کی باڑیں چل رہی تھیں۔ تیر چھوٹ رہے تھے۔ اور اس کثرت سے تیروں کی بارش تھی کہ میدان پر ایک گھٹا سی چھائی ہوئی تھی۔ تلواریں چمک رہی تھیں اور لڑائی تلواروں سے خنجروں چھریوں سے کٹاروں سے شروع ہو گئی تھی۔ ہندو "جے بھوانی" اور "ہر ہر مہادیو" کے نعرے لگاتے تھے اور مسلمان تکبیریں پڑھتے تھے اور "یا علی" کے نعرے لگاتے تھے۔ زخمیوں کی چیخ پکار سے میدانِ جنگ گونج رہا تھا۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ نواب شجاع الدولہ نے مجھ سے پوچھا تم کیا خیال کرتے ہو۔ کیا مسلمان پھر بھاگ جائیں گے۔ ہندوؤں کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ میں نے دست بستہ ہو کر عرض کی "اللہ کا ارادہ

سب پر غالب ہے"۔ ابھی یہ بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ غل کی آواز آئی "بسواس راؤ مارا گیا" اور "بھاؤ بھی مارا گیا" اور مسلمانوں نے دیوانہ وار جوشیلی آوازوں سے تکبیریں پڑھنی شروع کیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر قریب گیا۔ مگر ایسی قیامت دیکھی کہ فوراً واپس چلا آیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مرہٹوں نے بھاگنا شروع کیا۔ لیکن چونکہ احمد شاہ ابدالی نے حکم دیدیا تھا کہ ایک ہندو بھی میدانِ جنگ سے زندہ نہ جانے پائے۔ اس واسطے میں نے دیکھا کہ ہر بھاگنے والے کے پیچھے ایک ایک افغان گھوڑا دوڑاتا ہوا جا رہا تھا اور دوسرے دن معلوم ہوا کہ میدانِ جنگ سے چالیس چالیس کوس دور تک ہندوؤں کی لاشیں دستیاب ہوئیں جن کو تعاقب کرنے والے مسلمانوں نے شاہی حکم کے بموجب قتل کیا تھا۔

الغرض سورج چھپنے سے پہلے پہلے لڑائی ختم ہو گئی۔ کوسوں تک ہندوؤں کی لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ ۳ لاکھ مرہٹوں میں سے گنتی کے کچھ آدمی اور دو تین سردار جان بچا کر بھاگ سکے۔ باقی سب کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

میدان سے بھاگ جانے والے

اگرچہ لڑائی شام سے پہلے پہلے ختم ہو گئی تھی لیکن بھاگنے والوں کا تعاقب اور قتل و خون ریزی کا بازار رات بھر گرم رہا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ بھاؤ کی رانی اپنے غلام کے ساتھ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر ڈیگ کے قلعے میں پہنچ گئی۔ راجہ سورج مل نے اس کو عزت کے ساتھ جھانسی پہنچا دیا۔ راجہ ملہار راؤ ہلکر بھی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ دُرّانیوں نے بہت دور تک ان کا تعاقب کیا آباجی گائکواڑ بھی سلامتی سے فرار ہو گئے۔ مہاجی سندھیا سخت زخمی ہوئے تھے۔ ان کو ان کی ریاست کا ایک مسلمان بچا کر لے گیا۔ مگر جنکوجی سندھیا گرفتار ہو

گنج شہیداں

صبح کو احمد شاہ ابدالی اپنے سرداروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئے اور انہوں نے شہیدوں کی لاشوں کو جمع کر کے کئی گنج شہیداں تیار کرائے۔ دو دو سو شہید ایک ایک گنج شہیداں میں دفن کیے گئے۔ اس کے بعد مرہٹہ سرداروں کی لاشیں تلاش کی گئیں۔ نواب شجاع الدولہ سقوں کو ساتھ لیے اور لاشوں کو دھلوا دھلوا کر دیکھا۔ بسواس راؤ کی لاش ایسی سالم ملی کہ کہیں خاک و خون کا نشان نہ تھا۔ اس کے تین زخم لگے تھے۔ ایک بھوں پر تیر کا زخم تھا۔ دوسرا گردن پر تھا۔ تیسرا کان کے پاس تھا۔ بیان کیا گیا کہ بسواس راؤ گھوڑے سے گرا تو اس کے آدمیوں نے اس کی لاش کو خاک اور خون سے فوراً صاف کر دیا۔ اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی مار دھاڑ سے گھبرا کر بھاگ گئے۔

بسواس راؤ کی لاش کا جھگڑا

جب بسواس راؤ کے نوکر لاش چھوڑ کر بھاگ گئے تو درانی یہ لاش اٹھا کر اپنے خیموں میں لے گئے۔ اور کہا یہ ہندوؤں کے بادشاہ کی لاش ہے۔ ہم اس کو سکھا کر افغانستان میں لے جائیں گے اور وہاں سب کو دکھائیں گے۔

عماد السعادت کا بیان ہے بسواس راؤ کم عمر لڑکا تھا۔ اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ جب احمد شاہ کے سامنے بسواس راؤ کی لاش لائی گئی تو وہ رونے لگے اور ان کے امیروں اور وزیروں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ ہر شخص اس کے حسن و جمال کا اور اس کی جوان مرگی کا ذکر کر کے افسوس کرتا تھا۔ نواب شجاع الدولہ

نے احمد شاہ سے کہا یہ لاش ندوی کو دیدی جائے تاکہ میں ہندوؤں کے حوالے کردوں اور وہ اس کو اپنے مذہب کے موافق جلادیں۔ درانی سرداروں نے کہا ہم یہ لاش نہیں دینگے۔ ہم اسکو سکھا کر افغانستان لے جائینگے۔ احمد شاہ نے دیکھا کہ جھگڑا بڑھ جانے کا ڈر ہے تو انھوں نے حکم دیا کہ لاش ہندو برہمنوں کو دیدی جائے اور ہماری ذاتی فوج کا ایک دستہ ساتھ رہے۔ تاکہ لاش جلانے میں کوئی درانی دخل نہ دے سکے۔ ہم نہیں چاہتے کہ مرہٹوں کے پیشوا کے بیٹے کی لاش رواں دواں ہو۔ کیونکہ ہم کو اپنے رسولؐ کی حدیث یاد ہے جس میں فرمایا ہے کہ دوسری قوموں کے اُن سرداروں کی عزت کرو جو ذلت میں مبتلا ہوگئے ہوں۔

بھاؤ کی لاش

تھوڑی دیر میں خبر آئی کہ بھاؤ کی لاش بھی مل گئی ہے۔ مگر اُس پر سر نہیں ہے احمد شاہ نے پوچھا کیا یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لاش بھاؤ کی ہے؟ کہا گیا اُس کے ساتھی برہمنوں نے جسم کے نشانات پہچان کر بتایا ہے کہ یہ لاش بھاؤ کی ہے۔ حکم ہوا اس کو بھی بسواس راؤ کی لاش کے ساتھ جلا دیا جائے۔

بھاؤ کا سر بھی مل گیا

شجاع الدولہ مرہٹوں کی دوستی کا حق ادا کرتے پھرتے تھے۔ لاش جل جانے کے بعد انہوں نے بھاؤ کے سر کی تلاش کی۔ جب وہ لاشوں میں سر کو تلاش کر رہے تھے تو دور کھڑا ہوا ایک درانی افغان مسکرا رہا تھا۔ نواب صاحب نے اُسکو بلا کر پوچھا۔ اُس نے کہا ایک شخص کو میں نے زخمی کیا تھا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا میں نے خیال کیا وہ کوئی سردار ہے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوسرے

مرہٹوں کو قتل کرنے بڑھ گیا۔ مُڑ کر دیکھا کہ وہ سردار اپنے نیزے کے سہارے کھڑا ہوا۔ اور میدان جنگ کو چاروں طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور راستے کا نعرہ لگایا۔ ہم سب واپس آئے اور ہم نے اُس کا کام تمام کر دیا۔

شجاع الدولہ نے پوچھا اُس کا سر کہاں ہے؟ دُرانی نے کہا میں نہیں جانتا کہاں ہے۔ اس سے شجاع الدولہ کو شک ہوا اور اس درانی کا نام اور پتہ پوچھ کر احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم کے پاس گئے اور اُن سے سارا حال بیان کیا وزیر اعظم نے اس درانی کو بلایا اور کہا جواہرات کا اور موتیوں کا جو کنٹھا سر کاٹتے وقت تو نے بھاؤ کے گلے سے اُتارا تھا وہ تیرا ہے اور تجھ کو معاف ہے۔ تجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ تو ہم کو اُس کا سر دیدے تاکہ ہندو ہم کو یہ طعنہ نہ دیں کہ مسلمانوں نے ہمارے سپہ سالار کا سر جواہرات کے لالچ کے سبب چھپا لیا۔ تب وہ درانی اپنے خیمے میں گیا اور کپڑے میں بندھا ہوا ایک سر لایا اور وزیر اعظم کے سامنے ڈال دیا۔ نواب شجاع الدولہ کے برہمن وکیل نے پہچان لیا کہ یہی بھاؤ کا سر ہے۔ اور وزیر اعظم نے احمد شاہ کی اجازت لیکر وہ سر بھی ہندوؤں کو دیدیا۔ اور اُنہوں نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ میدان جنگ میں اُس کو جلا دیا۔ جب سر جل رہا تھا تو ہزاروں ہندو چاروں طرف کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔

جھنکوجی سندھیا کا قتل

شجاع الدولہ کے وکیل کاشی راؤ کا بیان ہے کہ میں سردار برخوردار خان کے وکیل موتی لال کے پاس گیا اور موتی لال مجھ کو ایک خیمے میں لے گئے جہاں جھنکوجی سندھیا بندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور زخمی تھے۔ جھنکوجی

بیس سال کے نوجوان تھے۔ کاشی راؤ کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کاش میں میدان جنگ میں مارا جاتا اور یہ ذلت مجھے نصیب نہ ہوتی۔ میں نے اُن کو تسلی دی اور کہا دنیا میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ آپ دل کو سنبھالئے۔ رونے کی کوئی بات نہیں ہے جھنکوجی نے کہا یہ لوگ مجھ سے میری جان کا فدیہ سات لاکھ روپے مانگتے ہیں۔ میں روپیہ کہاں سے دوں۔ تم نواب شجاع الدولہ سے کہو کہ وہ روپیہ دیکر مجھے قید سے چھڑا لیں میرے والد یہ روپیہ فوراً ادا کر دینگے۔ کاشی راؤ نواب صاحب کے پاس گئے اور نواب صاحب فوراً وزیر اعظم کے پاس گئے۔ وزیر اعظم ان کو احمد شاہ کے پاس لے گئے۔ اور چونکہ وزیر اعظم کی سردار برخوردار خاں سے عداوت تھی اس واسطے وزیر اعظم نے جھنکوجی کے معاملے کو بادشاہ سے بہت نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا ابھی لوگ جائیں اور برخوردار خاں سے جھنکوجی کو لے آئیں۔ شاہی افسروں کے پہنچنے سے پہلے برخوردار خاں کو اس کی خبر مل گئی اور اُس نے شاہی عتاب سے بچنے کے لئے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا کہ جھنکوجی کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ بیچارے جھنکوجی سندھیا کو خبر نہیں کہاں لیجا کر مار ڈالا گیا۔

ابراہیم خاں گاردی کی گرفتاری

اُسی دن ابراہیم خاں گاردی احمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بہت زخمی تھا۔ اُس نے احمد شاہ سے کہا مجھے زندہ رکھئے۔ اب میں آپکی خدمت کیا کرونگا۔ نواب شجاع الدولہ نے بھی سفارش کی۔ مگر درانی سردار بگڑ کر بولے "اس نے ہمارے بہت سے افغانوں کو شہید کیا ہے۔ ہم اسکو زندہ نہیں چھوڑینگے" احمد شاہ نے جوش و خروش کی حالت دیکھ کر ابراہیم خاں کو ایک سردار کے حوالے کر دیا کہ تم اس کے زخموں کا علاج کرو مگر ابراہیم خاں زخموں [illegible]

مر گیا۔ اور نواب شجاع الدولہ نے اُس کے کفن دفن کا انتظام کیا۔

نمک میں دفن کر دیا

عماد السعادت کی روایت تو یہی ہے کہ ابراہیم گاردی زخموں کی وجہ سے مرا۔ لیکن اس کے خلاف بیشمار راویوں کا بیان ہے جو میدان جنگ میں بھی تھے اور وہ بھی جنھوں نے زبانی روایتیں سنی تھیں کہ جب ابراہیم خاں گاردی احمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور اُس نے اپنی جان کی امان چاہی تو بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ ہندوؤں کا نمک خوار ہے اور ہندوؤں کے نمک کی خاطر اس نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا۔ اس واسطے ایک بڑا گڑھا کھودو اور اس میں نمک بھرو۔ اور اس میں اسے زندہ دفن کر دو۔ تاکہ خدا کے سامنے مسلمانوں کا نمک کھاتا ہوا جائے۔

شمشیر بہادر کی شہادت

باجی راؤ پیشوا کا بیٹا شمشیر بہادر جس کو بھاؤ نے بہادر کر کے مسلمان کرا دیا تھا بھاؤ کے ساتھ میدان جنگ میں بڑی بہادری سے لڑا اور زخمی ہو کر بھاگا اور راجہ سورج مل کے پاس پناہ لی۔ اور وہیں زخموں کی تکلیف سے وفات پائی۔ سورج مل نے اسلامی رواج کے موافق قبر میں دفن کرایا اور ڈیگ ریاست بھرتپور میں اب بھی اُس کی قبر موجود ہے۔ اس کا بیٹا علی بہادر نامی گرامی مسلمان تھا اور اُس نے ایک چھوٹی سی ریاست اپنی بہادری سے قائم کر لی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۳ لاکھ روپے سالانہ اُس کی پنشن مقرر کر دی تھی۔

جب شکست کی خبر پونا پہنچی

مورخوں نے لکھا ہے کہ جب پانی پت کی ہار کی خبر پونا میں بالاجی راؤ پیشوا کو پہنچی

تو وہ اپنے کم عمر بیٹے اور بہادر بھائی کے مارے جانے کی خبر سے نیم مجنون ہوگیا اور کئی دن پونا میں کہرام مچا رہا۔ آخر پیشوا نے سوگ چھوڑا اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاری شروع کی کیونکہ اُس کو معلوم ہوگیا تھا کہ احمد شاہ ابدالی پانی پت سے دہلی میں آیا اور چند روز دہلی میں رہا۔ مگر اپنے دُرانی سپاہیوں کی شورش سے مجبور ہوکر افغانستان چلا گیا۔ کیونکہ درانیوں کے ہاتھ پانی پت کی لڑائی میں اتنی زیادہ دولت آئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک اب اپنے گھر جانا چاہتا تھا۔ اور اُن سب نے مل کر احمد شاہ کے خلاف بغاوت کی تیاری کی تھی اس لئے کہ احمد شاہ دلی میں بیٹھ کر مغلیہ سلطنت کا انتظام درست کرنا چاہتا تھا۔ آخر مجبور ہوکر احمد شاہ اپنی فوج کے ساتھ قندھار چلا گیا۔ اور نواب نجیب الدولہ نے چالیس لاکھ روپیے بطور سفر خرچ احمد شاہ کی نذر کئے۔

بالاجی پیشوا نے یہ سب حالات سن کر کہا یہ لڑائی نجیب الدولہ نے کرائی تھی اور نجیب الدولہ ہی نے میدان جنگ میں تیغے سے آکر میرے بیٹے اور میرے بھائی پر وار کیا تھا۔ اب میں دہلی کو اور افغانی ریاستوں کو اور نجیب الدولہ کی ریاست کو خاک سیاہ نہ کردوں تو میرا نام بالاجی نہیں۔ یہ کہہ کر اُس نے سب مرہٹہ سرداروں کو خطوط لکھے اور بہت جلدی پانچ لاکھ فوج جمع کرلی اور بڑے کر و فر سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

پونا پر نظام کا حملہ

جب یہ خبر حیدرآباد کے نواب نظام علی خاں کو پہنچی کہ پیشوا پانچ لاکھ فوج لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوا ہے تاکہ دہلی کی بادشاہی اور افغانوں کی ریاستوں کا نام و نشان مٹادے تو وہ فوراً حیدرآباد سے ایک بڑی جمعیت مسلمانوں کی

سے کہ پونا پر چڑھ دوڑے۔

عماد السعادت کا بیان ہے کہ بالاجی پیشوا پونا سے پانچ منزل تک پہنچا تھا کہ نظام علی خاں پونا میں آگیا اور اس نے پونا کو لوٹا اور ہر گھر میں آگ لگا دی اور پیشوا کے محلات کو بھی جلا کر اور مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ اور اس کے بعد یلغار کرتا ہوا حیدر آباد واپس چلا گیا۔ اور وہاں جا کر اپنی حفاظت کی تیاریاں کرنے لگا۔

پیشوا نے یہ خبر سنی تو وہ پانچ منزل سے واپس پھرا۔ اور سیدھا پونا میں آیا۔ اور پونا کی تباہی دیکھ کر بہت رویا۔ اور فوراً ایک خط نواب نظام علی خاں کو لکھا کہ میری آپ کی دوستی تھی۔ مجھے یہ امید نہ تھی کہ آپ ایسی حالت میں کہ میرا جوان بیٹا مارا گیا جوان بھائی مارا گیا اور میں ان کا بدلہ لینے کو چلا تو آپ نے میرے پایہ تخت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب میں مجبور ہوں کہ بجائے دہلی جانے کے حیدر آباد میں آؤں اور آپ کو اس شرارت کا مزا چکھاؤں۔

نواب نظام علی خاں نے جواب دیا میں آپ کا دوست بھی ہوں اور مسلمان بھی ہوں۔ جب آپ نے اپنے بیٹے اور بھائی کو دلی کا تخت لینے کے لئے بھیجا تو بھرے دربار میں یہ الفاظ کہے تھے کہ میں ہندوستان میں ایک مسلمان بچے کو بھی رہنے نہ دونگا اور افغانستان پر بھی قبضہ کر لوں گا۔ میں اس وقت آپ کی دوستی کی خاطر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ لیکن جب پانی پت کے میدان میں مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ ہندوستان میں رہنے کی طاقت رکھتے ہیں اور آپ نے پھر پانچ لاکھ فوج لیکر اس طاقت کو ملیا میٹ کرنے کا ارادہ کیا تب مجھے یاد آگیا کہ میں مسلمان بھی ہوں۔ جب تک یہ یاد نہ آیا میں آپ کا دوست ہوں خاموش رہا اور جب یہ یاد آگیا کہ مسلمان بھی ہوں تو میں نے وہی کیا جو ایسے وقت ایک سچے مسلمان کو کرنا لازم تھا اب آپ مجھے مزا چکھانے کے لئے حیدر آباد تشریف لانا چاہتے

یہاں شوق سے تشریف لائیے۔ یہ گھر آپ کا ہے۔ میں آپ کی ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ اور پونا کے قریب آکر آپ کے استقبال کا فخر حاصل کرونگا۔

جب یہ خط پیشوا کے دربار میں پڑھا گیا تو کچھ دیر دربار میں سناٹا چھایا رہا اور آخر پیشوا نے کہا اچھا ہم پہلے نظام ہی کا انتظام کریں گے۔

مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پیشوا بیٹے اور بھائی کے غم میں بیمار ہوا اور بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور اس طرح پانی پت کے میدان میں ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی کا تاریخی بیان بھی ختم ہو گیا۔

آج ۷ جون ۱۹۴۵ء کے دن جب کہ یہ کتاب ختم ہوئی تو میں اپنے پاک پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے چالیس کروڑ ہندوؤں اور مسلمانوں کو عقل دے اور وہ ان تاریخی حالات سے یہ سبق لیں کہ جس طرح پانی پت کی آخری لڑائی سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے فائدہ اٹھایا اور وہ ہندوستان کی مالک بن گئی۔ ایسا آئندہ نہ ہو۔ اور ہندوستان کے ہندو مسلمان اب آپس کی لڑائیوں کو لپیٹ کر گنگا جمنا میں بہا دیں اور پھر آپس میں اس طرح مل جائیں جس طرح اللہ کے نام کے شہر الہ آباد کے نیچے گنگا جمنا ملے ہوئے بہہ رہے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کا تبصرہ

میں نے یہ کتاب لکھنؤ کی تاریخ عماد السعادت سے اقتباس کر کے جس لئے شائع کی ہے اُس کا اندازہ تمہید اور آخری سطروں سے ہو جائے گا۔

جب کسی قوم یا ملک یا حکومت کا بُرا وقت آتا ہے تو اُس میں خانہ جنگی ہونے لگتی ہے۔ ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی کو خانہ جنگی کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جنگ ہندوستان کی بڑی بڑی لڑائیوں میں سے ایک لڑائی تھی۔ پھر بھی میں اس کو خانہ جنگی اس لئے کہتا ہوں کہ مرہٹے بھی ہندوستانی تھے اور مسلمان بھی ہندوستانی تھے۔ فرق اتنا تھا کہ مرہٹے کچھ مدت یا چند صدیاں یا چند ہزار برس پہلے ہندوستان میں آئے تھے اور مسلمان بعد میں آئے تھے۔ اور جس زمانے میں یہ آخری لڑائی ہوئی وہ زمانہ ایسا تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں ایک گھر کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی بادشاہی بھی برائے نام قائم تھی اور اُن کی بہت سی ریاستیں بھی جگہ جگہ موجود تھیں۔ اور ہندوؤں کی بھی پونا میں ایک بادشاہی قائم ہو گئی تھی اور مرہٹہ ریاستوں کے علاوہ راجپوتوں کی بھی بہت سی ریاستیں جگہ جگہ موجود تھیں۔ گویا ان دونوں قوموں کی طاقت برابر کی تھی۔ اور دونوں اس بات کو دیکھ رہے تھے کہ انگریز اور فرانسیسی اور پرتگیز اُن کے ملک میں آہستہ آہستہ پاؤں جماتے جا رہے ہیں۔ اس لئے دونوں کا آپس میں لڑنا خطرناک تھا۔ اور دونوں کی لڑائیوں کو خانہ جنگی ہی کہنا چاہیئے۔

ثابت خاں کا واقعہ

لکھنؤ کی تاریخ عماد السعادت میں پانی پت کی مذکورہ لڑائی کے حالات کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات کا ذکر ہے جن سے اُس فضا کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس وقت ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں اور خیالوں

پر مسلط ہوگئی تھی۔ اُن واقعات میں ایک واقعہ ثابت خاں کا بہت زیادہ سبق آموز ہے۔
ثابت خاں علی گڈھ کے علاقے کا ایک چھوٹا سا رئیس تھا اور بہت معمولی فوجی طاقت اُس کے پاس تھی لیکن زمانہ ایسا تھا کہ ہندو رئیسوں اور مسلمان رئیسوں کے سامنے خود غرض لوگ ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی سچی باتیں کرتے رہتے تھے جس سے دونوں قوموں کے دلوں میں ہندو مسلم عناد کی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ اور کوئی شخص یہ نہ سوچتا تھا کہ ہماری آپس کی لڑائیوں سے انگریزوں اور فرانسیسیوں اور پرتگیزوں کو فائدہ پہونچے گا۔

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ "علی گڈھ کے رئیس ثابت خاں کی مجلس میں اُس کے مصاحبوں نے ذکر کیا کہ جے پور کا راجہ جب دہلی کے شاہی دربار میں آتا ہے۔ اور رواجی رسموں کے سبب اُس کو دربار کے مسلمان امیروں سے گلے ملنا پڑتا ہے تو وہ گھر میں جا کر اپنا لباس جلا دیتا ہے اور نہاتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں سے گلے ملنے کے سبب میں بھی ناپاک ہوگیا اور میرے کپڑے بھی ناپاک ہوگئے۔
ثابت خاں نے جب اپنی مجلس کے لوگوں سے یہ باتیں سنیں تو اُن مشتعل ہو جانے والے ناسمجھ لوگوں کی طرح بغیر تحقیقات کے کہدیا کہ میں کسی دن جے پور کے راجہ سے اس حقارت کا بدلہ لونگا جو اُس کے دل میں مسلمانوں کی ہے۔
جے پور علی گڈھ سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ اگر ثابت خاں اس کی تحقیقات کر لیتا اور اپنی مجلس کے جھوٹے سچے لوگوں کی باتوں کا جلدی اعتبار نہ کر لیتا تو اُس کو یقیناً ایسا کام نہ کرنا پڑتا جو اُس نے کیا۔
یعنی ثابت خاں کی زبان سے بدلہ لینے کے جو الفاظ نکلے تھے اُن کو پورا کرنے کے لئے اُس نے اپنے جاسوس جے پور بھیجے اس لئے نہیں کہ راجہ جے پور کی نسبت اُس نے جو کچھ سنا تھا اس کا جھوٹ سچ معلوم کرتا۔ بلکہ جاسوس اس لئے بھیجے

کہ وہ یہ خبر لائیں کہ جے پور کا راجہ اپنی ریاست سے باہر کہیں جائے تو ثابت خاں کو فوراً خبر دی جائے تاکہ وہ بدلہ لینے کا ارمان پورا کر سکے۔

چنانچہ ایک دن جاسوسوں نے خبر دی کہ راجہ جے پور گنگا میں نہانے کے لئے گڈھ مکت ایشور (گڈھ مکتیسر) آنے والا ہے اور پانچ سو سوار اس کے ساتھ ہونگے

ثابت خاں نے یہ خبر سنتے ہی بدلہ لینے کا انتظام شروع کر دیا اور علی گڈھ سے کئی جاسوس گڈھ مکتیسر میں بھیجدیئے تاکہ راجہ کی واپسی کی خبر وقت پر مل سکے۔

چنانچہ جب ثابت خاں کو معلوم ہوا کہ راجہ جے پور فلاں تاریخ گڈھ مکتیسر سے واپس ہو کر جے پور جائینگے اور فلاں وقت اس جگہ پہنچینگے جہاں ثابت خاں کا علاقہ تھا تو اس نے پانچسو افغان سوار تیار کئے اور راجہ کے راستے میں آکر چھپ کر بیٹھ گیا

تاریخ عماد السعادت کا بیان ہے کہ صبح کا وقت تھا۔ سورج نکلا ہی تھا کہ راجہ جے پور ہاتھی پر سوار صبح کی سہانی ہوا کا لطف اٹھاتے ہوئے اس جنگل میں آئے جہاں ثابت خاں اپنے پانچسو سواروں کے ساتھ چھپا ہوا بیٹھا تھا۔

ثابت خاں نے اپنے سواروں کو سمجھا دیا تھا کہ جب میں راجہ کے ہاتھی کی طرف بڑھوں تو تم ایک دم راجہ کے ہمراہی سواروں پر حملہ کر دینا۔ مگر نہ کسی کو جان سے مارنا نہ کسی کو زخمی کرنا۔ بلکہ گھوڑوں سے اتار اتار کر ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دینا اور ہتھیار لے لینا۔

ایسا ہی ہوا کہ راجہ جے پور کا ہاتھی اور اُن کے پانچسو سوار بیچ جنگل میں آگئے تو ثابت خاں کے سواروں نے ایک دم تکبیر کے نعرے لگائے اور سواروں پر حملہ کر دیا۔ جے پور کے سوار لڑائی سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کے پاس ہتھیار تو تھے لیکن چونکہ وہ اس ناگہانی آفت سے بے خبر تھے اس قدر گھبرائے کہ بغیر کسی دشواری کے ثابت خاں کے سواروں نے جے پور کے سب

سواروں کے ہتھیار چھین لئے اور اُن کی مشکیں باندھ لیں۔

اِدھر یہ کام ہوا اُدھر ثابت خاں گھوڑا دوڑا کر راجہ کے ہاتھی کے سامنے گیا اور گھوڑے سے اُتر کر بہت ادب کے ساتھ راجہ کو سلام کیا اور کہا " فدوی اس علاقے کا مالک ہے۔ فدوی کا نام ثابت خاں ہے۔ اور فدوی نے مہاراج کی دعوت کا انتظام کیا ہے۔ بہت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ حضور ان خیموں کے اندر تشریف لے چلیں جہاں دعوت کا انتظام کیا گیا"

راجہ نے ایک طرف ثابت خاں کی یہ شائستہ باتیں سنیں اور دوسری طرف یہ تماشہ دیکھا کہ اس کے سب سواروں کی مشکیں باندھ لی گئی ہیں اور ہتھیار چھین لئے گئے ہیں۔ اس لئے راجہ نے ثابت خاں کو جواب نہ دیا بلکہ فیل بان کو حکم دیا کہ ہاتھی کو تیزی سے آگے بڑھائے اور ثابت خاں سے کہا " یہ تمہاری دعوت کس قسم کی ہے کہ تم نے میرے ساتھیوں کے ہتھیار چھین لئے اور اُن کو قید کر لیا"

ثابت خاں نے ہاتھ جوڑ کر ادب سے کہا " اس کا جواب خیمے کے اندر جا کر عرض کروں گا۔ اگر حضور نے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا تو فدوی گستاخی کے لئے مجبور ہوگا"

راجہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور فیل بان کو تاکید کی کہ ہاتھی کو آگے بڑھائے۔ چنانچہ فیل بان نے ہاتھی کو دوڑانا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھ کر ثابت خاں گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور گھوڑا دوڑا کر ہاتھی کے پاس پہنچ گیا اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہاتھی کا ہودا پکڑا۔ اور اُچک کر فیل بان کے پیچھے جا بیٹھا۔ اور اُس کے ہاتھ سے ہاتھی کا انکس لے لیا اور دھکا دے کر فیل بان کو ہاتھی کے نیچے گرا دیا۔ اور مڑ کر راجہ سے کہا " میں دیکھتا ہوں کہ حضور نے مجھ ناپاک ناچیز کے لئے اپنا پاک خنجر میان سے نکال لیا ہے۔ اس لئے ادب کے ساتھ گذارش کرتا ہوں کہ یہ خنجر میرے حوالے کر دیجئے۔ ورنہ مجھے کچھ

گستاخی کا عمل کرنا پڑے گا۔"

راجہ نے دور اندیشی سے کام لیا۔ اور اپنا خنجر میان میں رکھ کر ثابت خاں کو دے دیا۔ ثابت خاں نے ہاتھی کو اُلٹا پھیرا۔ اور اپنے خیموں کی طرف ہاتھی کو لے کر آیا۔ اور وہاں پہنچ کر ہاتھی سے نیچے کودا۔ اور ثابت خاں کا ایک نوکر ہاتھی پر چڑھ گیا۔ اور اس نے ہاتھی کو بٹھا کر سیڑھی لگائی۔ اور راجہ صاحب کو نہایت عزت کے ساتھ اُتارا۔

خیمے کے اندر نہایت مکلف مسند بچھی ہوئی تھی۔ زرّین گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا۔ ثابت خاں نے راجہ صاحب جے پور کو مسند پر بٹھایا۔ اور جیب سے سات اشرفیاں نکال کر نذر پیش کی اور کہا "فدوی بہت غریب آدمی ہے یہ نذر قبول کیجئے۔"

راجہ کا چہرہ ڈر کے مارے زرد ہو گیا تھا۔ انھوں نے فوراً اشرفیاں اٹھالیں اور ثابت خاں کی جرأت اور بہادری کی تعریف کرنے لگے۔ ثابت خاں مسکرایا۔ اور پھر ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ یہ حضور کی قدر دانی ہے ورنہ میں بیچارہ اس قابل نہیں ہوں کہ حضور میرے ہاں مہمان ہوں۔"

اس کے بعد ثابت خاں نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ سات کشتیاں لے کر آئے۔ ثابت خاں نے ایک ایک کشتی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر راجہ صاحب کے سامنے رکھی۔ ان کشتیوں میں زرّین لباس کے جوڑے تھے۔ اس کے بعد دوسری سات کشتیاں آئیں جن میں کچھ پھل تھے اور میوے تھے۔ اس کے بعد ثابت خاں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "مجھ غریب کی دعوت قبول ہو۔" راجہ صاحب نے کہا "ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ اور یہ سب چیزیں قبول کرتے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کو قید سے چھوڑ دو تاکہ

وہ یہ سب سامان اٹھالیں۔"

ثابت خاں ۔۔ نے جھک کر زمین کو ہاتھ لگایا اور ساتھ سلام راجہ صاحب کو کیئے پھر کہا " میں ابھی آپ کے آدمیوں کو حاضر کرتا ہوں لیکن اُن سب کے آنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ لباس کی ساتھ کشتیاں اُس نقصان کا معاوضہ ہیں جو حضور کو مسلمانوں سے گلے ملنے کے سبب اٹھانا پڑا تھا۔ اور حضور نے اپنے بہت سے جوڑے اس لئے جلا دیئے تھے کہ مسلمانوں سے گلے ملنے کے سبب وہ لباس ناپاک ہوگیا تھا۔ میری گذارش یہ ہے کہ اس لباس کو حضور ناپاک نہ سمجھیں اور ضرور زیب تن فرمائیں"

راجہ صاحب بے بس تھے ۔ اُن کی آنکھیں شرم سے نیچی ہوگئیں اور افسوس نے بہت مدھم آواز سے کہا " تمہاری یہ باتیں مار ڈالنے سے زیادہ دُکھ دے رہی ہیں " یہ سن کر ثابت خاں نے قہقہہ لگایا اور کہا " بس میرا جی ٹھنڈا ہوگیا کہ میں نے آپ کی زبان سے یہ بات سن لی ۔ اس وقت میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو آپ کے دل اور دماغ میں موجود ہے ۔ لیکن یہ بات آپ کے دل نشین کرنے کے لئے کہ مسلمان بے بس دشمن کے ساتھ بدسلوکی نہیں کیا کرتے میں آپ کو اور آپ کے آدمیوں کو اپنی قید سے آزاد کرتا ہوں ۔ مگر یہ یاد رکھئے گا کہ اگر پھر کبھی میں نے یہ سنا کہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ کیا ہے تو خاں جے پور میں پہنچ کر بدلہ لوں گا " یہ کہہ کر ثابت خاں باہر آیا اور اپنے سواروں کو حکم دیا کہ راجہ صاحب کے سپاہیوں کو چھوڑ دو اور راجہ صاحب کا ہاتھی لاؤ ۔ فوراً تعمیل کی گئی ۔ اور راجہ صاحب نے ہاتھی پر سوار ہونے سے پہلے ثابت خاں کو گلے لگایا اور کہا " میں ایسے بہادر اور شریف دل مسلمانوں کی ہمیشہ عزت کرتا رہوں گا ۔ جے پور تمہارا گھر ہے ۔ جب جی چاہے وہاں آنا ۔ میں

ایک بڑا علاقہ اپنی ریاست کا تم کو دوں گا۔"
شابت خاں نے جھک کر سلام کیا اور کہا "آپ کا علاقہ آپ کو مبارک ہو اور میری تلوار مجھ کو مبارک" یہ کہہ کر شابت خاں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور اپنے سواروں کو حکم دیا "مہاوتوں کو رخصت کرنے کے بعد ہاتھی سے شیشے اکھاڑو اور جلدی علی گڑھ آجاؤ" یہ کہتا ہوا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا علی گڑھ کی طرف چلا گیا۔

تاریخ عماد السعادت میں جو تفصیل اس واقعہ کی درج ہے وہ بہت طویل ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ درج کیا ہے۔

اس واقعے سے اور بالاجی پیشوا اور بسواس راؤ اور سدا شیو بھاؤ کی حرکتوں اور پانی پت کی لڑائی کی تمام تفصیلات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور ہر شخص کو اچھی طرح اندازہ ہو جائیگا کہ ہندو مسلم کا بگاڑ دونوں قوموں کے لئے نقصان رساں ہوا۔
لہذا آج کل کے زمانے میں جو ہندو مسلمان آپس میں لڑتے رہتے ہیں وہ ان واقعات سے سبق لیں کہ پانی پت کے میدان میں ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی اور مذکورہ لڑائی سے دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز سارے ملک کے مالک بن گئے اور ہندو مسلمانوں کی پیشانیوں پر غلامی کے ٹیکے لگ گئے۔

آج شملے پہاڑ پر ہندو مسلمانوں کے لیڈر جمع ہیں اور پھر اسی پرانی تباہ کرنے والی دشمنی کی باتیں کر رہے ہیں۔ خدا دونوں کو عقل دے اور دونوں آپس میں پیار و محبت سے مل جل کر رہنا سیکھیں اور ہر ایک کی زبان سے یہ لفظ سنا جائے:-

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

حسن نظامی

۳ جولائی ۱۹۴۵ء